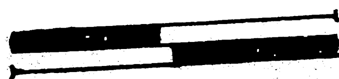
كلام الملوك ملوك الكلام

انّ سرّ الاسرار من سرّ سرّی ○ كعبتی راحتی و بسطی مدامی





سرّ الاسرار

تصنیف منیف

سلطان الاولیاء، سید الاصفیاء محبوب خاتم الانبیاء
صاحب سر الاسرار کعبۃ الابرار غافر الاوزار تریاق الاغیار وارث نبی المختار
ہیکل صمدانی، قندیل نورانی صاحب اشارات و معانی سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی
رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا

پیش کش

ابو الفضل سید محمود قادری

بانی و صدر نشین معارف اسلامیہ ٹرسٹ (رجسٹرڈ)

حیدرآباد۔ آندھرا پردیش

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

نام کتاب :- سر الاسرار (اردو ترجمہ)

تصنیف کنندہ : سلطان الاولیاء وارث خاتم الانبیاء حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی

تعارف کنندہ : بار اوّل حضرت الحاج میر بہادر علی اقبال صاحب اسسٹنٹ انجینئر محکمہ تعمیرات املاک و شوارع حیدرآباد اے پی

اشاعت کنندہ :- بار اوّل معارف اسلامیہ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) حیدرآباد اے پی ماہ جون ۱۹۸۹ء

بار دوم 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ماہ نومبر ۱۹۸۹ء

تعداد اشاعت : ایک ہزار (۱۰۰۰)

سائز کتاب : ڈیمی ۱/۸ (۵½ × ۸½) صفحات (۱۲۰)

کتابت :- سید منظور محی الدین کلیانوی - شاہ گنج محلہ قطب عالم H.N. 20-3-1076

سرورق :- محمد نعیم صابری (مونس الخطاط) جمال مارکٹ - فرسٹ فلور - چھتہ بازار حیدرآباد

طباعت :- اعجاز پرنٹنگ پریس - پریس لین چھتہ بازار حیدرآباد ۲ اے - پی

ہدیہ کتاب :- پندرہ روپے Rs: 15/=

ناشر :- ابوالفضل سید محمود قادری (موظف سشن جج دیوانی) و صدر معارف اسلامیہ ٹرسٹ (رجسٹرڈ) حیدرآباد

ملنے کے پتے

(۱) دیوڑھی مولوی سید محمود صاحب نمبر (20-7-175) فتح دروازہ - حیدرآباد (500265) اے پی
(۲) حسامی بک ڈپو چار کمان حیدرآباد (۳) مینار بک ڈپو چار کمان حیدرآباد -
(۴) نیشنل بک ڈپو چار کمان حیدرآباد (۵) کمرشیل بک ڈپو چار مینار حیدرآباد -
(۶) اسٹوڈنٹس بک ڈپو چار مینار حیدرآباد (۷) مکتبۃ القلم عقب مسجد چوک حیدرآباد -
(۸) مکتبہ انوار مصطفیٰ شاہ علی بنڈہ حیدرآباد (۹) الیاس ٹریڈرس شاہ علی بنڈہ حیدرآباد -
(۱۰) تاج بک ایجنسی چوک مرغان حیدرآباد (۱۱)

فہرس

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

پیش لفظ

سرالاسرار - حضرت شیخ الشیوخ صاحب اشارات والمعانی سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ کی تصوف میں نایاب ولاجواب تصنیف منیف "کلام الملوک ملوک الکلام" کے مصداق ہے۔ مکتبہ المدرستہ القادریہ العامہ بغداد باب الشیخ الحوزۃ القادریہ میں یہ مخطوطہ محفوظ رہنے کی نشاندہی پر اس وابستۂ داماں غوثیہ نے متولی الاوقاف القادریہ حضرت پیر سید یوسف الگیلانی سے استدعا کی کہ اس کی زیراکس کاپی مرحمت فرمائی جائے تاکہ اس کو بنظر افادۂ عام منظر عام پر لایا جائے۔ حضرت موصوف نے پندرہ روز کے اندر ہی اس مخطوطہ کی زیراکس کاپی ایکسپریس پارسل سے روانہ فرمائی جس کے بعد یہ اردو ترجمہ کے ساتھ ماہ ذیلقعدہ ۱۴۰۹ھ ماہ جون ۱۹۸۹ء میں زیورِ طباعت سے مزین ہو کر جلوہ گر ہوئی۔ سیدھی جانب کے کالم میں اصل کتاب بزبانِ عربی اور اس کے محاذی بائیں جانب کے کالم میں اس کا اردو ترجمہ شائع کیا گیا تاکہ اربابِ علم وفضل اطمینان کرلیں کہ ترجمہ عربی عبارت کے مطابق ہے کوئی کمی بیشی یا تحریف نہیں کی گئی۔ بحمدللہ سب نے اس کو نظر تحسین سے دیکھا اور نہایت گرمجوشی سے اس کا استقبال کیا۔ چنانچہ قلیل مدت میں تمام کتابوں کی نکاسی ہو گئی۔

اب جب کہ اس کا ایک نسخہ بھی نہ رہا تو مختلف مقامات سے اس

کتاب کے مطالبے ہونے لگے۔ اس نوبت پر خیال ہوا کہ چونکہ قارئین کی غالب تعداد اردو دان اصحاب کی ہے لہٰذا اس دفعہ صرف اردو ترجمہ شائع کیا جائے جس سے کتاب کی ضخامت بھی کم اور قیمت بھی کم ہو جائے گی۔ چنانچہ اس شکل میں ملاحظہ میں پیش ہے۔

اصل کتاب کے ترجمے کے آخر میں ایک ضمیمہ جو سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے خاندانی تذکرہ پر مشتمل ہے جسے جناب الحاج میر بہادر علی اقبال صاحب (اسسٹنٹ انجینئر محکمہ تعمیرات عامہ وشوارع حیدرآباد) نے بعد تحقیق مرتب کیا تھا شامل کتاب کیا گیا۔

حضورؓ کے حالات میں بہجۃ الاسرار اور قلائد الجواہر مستند درجہ رکھتی ہیں اور آپ کے نسب کے تعلق سے حجۃ البیضا فی رد اہل الطغیٰ جس میں دو سو سے زائد کتابوں کا حوالہ ہے آپ کے ازواجِ مطہرات اور اولادِ امجاد (ذکور و اناث) کے اسمائے گرامی مع تعداد نہیں ملتے بمصداق مَنْ جَدَّ وَجَدَ اور لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی وَ اَنَّ سَعْیَہٗ سَوْفَ یُرٰی اقبال صاحب کی جستجو و تحقیق نے یہ مہم بھی سر کر دی جزاہ اللّٰہ خیر الجزاء۔

صدر نشین ٹرسٹ

ابوالفضل سید محمود قادری

دیوڑھی مولوی سید محمود نمبر 175-7-20
اندرون فتح دروازہ حیدرآباد اے پی 500002
موظف ڈسٹرکٹ جج

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

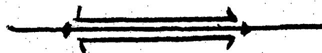
سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ جس نے درجات کو عبادت گذاروں کے لیۓ اور مراتب قرب عارفوں کے لئے محفوظ فرمائے ہیں۔ طالب علموں میں سے کسی نے ہم سے التماس کی کہ اس (علم) کی خاطر ایک کافی وافی نسخہ (کتاب یا رسالہ) اس موضوع پر جمع کریں۔ چنانچہ ہم نے اس کی مراد یہ مختصر رسالہ میں جمع کیا (لکھا یا لکھوایا) جو نہ صرف اس کے لئے بلکہ دوسروں کے لیۓ بھی نہایت کافی اور تسلی بخش ہے اور اس کا نام "سر الاسرار" رکھا کیوں کہ ہم نے اس میں ان مسائل شریعت، طریقت اور حقیقت پر روشنی ڈالی ہے جن کی عموماً جستجو رہتی ہے۔ رسالہ ہذا کلمہ طیبہ (یعنی) لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چوبیس ۲۴ حروف اور دن رات کی چوبیس ۲۴ گھڑیوں کی تعداد کے مطابق ایک مقدمہ اور چوبیس ۲۴ فصلوں پر مشتمل ہے۔

(مقدمہ) اس میں ابتدائے خلق کا بیان ہے۔

(فصول) (پہلی فصل) انسان کا اپنے اصلی وطن کی طرف رجوع کرنے کے بیان میں۔

(دوسری فصل) انسان کو اسفل ترین حالت کی طرف پھیر دینے کے

بیان میں (تیسری فصل) اجسام میں روحوں کے تصرفات کے بیان میں (چوتھی فصل) علوم کے بیان (پانچویں فصل) توبہ اور تلقین کے بیان میں (چھٹی فصل) تصوّف کے بیان میں) ساتویں فصل) اذکار کے بیان میں (آٹھویں فصل) شرائط ذکر کے بیان میں (نویں فصل) اللہ تعالیٰ کے دیدار کے بیان میں (دسویں فصل) حجاب ہائے تاریکی اور نورانی کے بیان میں (گیارہویں فصل) سعادت اور شقاوت کے بیان میں (بارھویں فصل) فقراء کے بیان میں (تیرھویں فصل) طہارت شریعت اور طریقت کے بیان میں۔ (چودھویں فصل) نماز شریعت اور طریقت کے بیان میں (پندرھویں فصل) عالم تجرید میں طہارت معرفت کے بیان میں (سولہویں فصل) شریعت و طریقت کی زکوٰۃ کے بیان میں (سترھویں فصل) روزہ شریعت و طریقت کے بیان میں (اٹھارویں فصل) حج شریعت و طریقت کے بیان میں) (انیسویں فصل) وجد اور صفائی کے بیان میں (بیسویں فصل) خلوت اور گوشہ نشینی کے بیان میں (اکیسویں فصل) خلوت کے وظائف کے بیان میں (بائیسویں فصل) خواب اور اُونگھ میں جو واقعات پیش آنے کے بیان میں۔ (تیئسویں فصل) اہل تصوّف کے بیان میں (چوبیسویں فصل) خاتمہ کے بیان میں۔



مُقدّمہ

ابتداءِ خلق کے بیان میں

جان لے اللہ تعالیٰ تجھے اس بات کی توفیق عطا فرمائے۔ جس کو وہ پسند رکھتا ہے اور جس میں اس کی خوشنودی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے روحِ پُر فتوح جناب سرورِ دو عالم حبیبِ کبریا حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے پہلے اپنے نورِ جمال سے پیدا کیا (جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) "میں نے رُوحِ جناب محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے ذاتی نور سے پیدا کیا"۔ اور جیسا کہ حضور نبی کریم علیہ التحیۃ التسلیم نے ارشاد فرمایا "سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا"۔ ان سب سے مراد ایک ہی شئے ہے اور وہ حقیقتِ محمدیہ ہے (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نورؔ اس ذاتِ پاک کا اس واسطے نام رکھا کہ ظلماتِ جلالیہ سے پاک وصاف ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے "بیشک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے پاس ایک نور (یعنی سیّدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور روشن کتاب (قرآنِ مجید) آئے اور عقل اس واسطے فرمایا کہ تمام کلیات کا ادراک حاصل ہے اور قلم اس واسطے نام رکھا کہ علم کو نقل کرنے کا ذریعہ ہے جیسا کہ عالم حروفات میں علم۔ اس کے لئے سبب ہے پس روحِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تمام موجودات کا خلاصہ اور جملہ کائنات کی ابتداء اور اصل ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "میں اللہ سے

ہوں اور مومنین مجھ سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام ارواح کو عالم لاہوت (یعنی عالمِ ذاتِ باری) میں اِس رُوحِ قدس سے (یعنی رُوحِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے) اچھی اور حقیقی صورت پر بنایا اور اس عالم میں تمام بنی نوع انسان سے مُراد آپ کی ذاتِ پاک ہے اور وہی وطن اصلی ہے۔ جب اس پر چار ہزار برس گذر گئے تو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی چشم مُبارک کے نور سے عرش کو پیدا کیا اور باقی تمام کائنات کو عرش سے پھر ارواح کائنات کے سب سے نچلے طبقہ (یعنی اجساد کی طرف لوٹا دیئے گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم نے اس کو پھیر دیا نیچی سے نیچی حالت کی طرف یعنی پہلے اس کو عالم لاہوت سے عالم جبروت (عالم عظمت وجلالِ صفاتِ الٰہی) میں اُتارا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں حرمین کے مابین نور جبروت کا لباس پہنایا اور وہ رُوح سُلطانی ہے۔ پھر اُنہیں اُس لباس میں عالم ملکوت (آسمان میں قدسیوں اور ملائکہ کا مقام) کی طرف بھیجا اور اُن کو نور ملکوت کا لباس پہنایا اور وہ روح روحانی کہے پھر انہیں عالم ملک میں بھیجا اور اُن کو نور ملک کا لباس پہنایا اور وہ رُوحِ جسمانی ہے۔ پھر اس سے (یعنی عالم ملک سے) جسموں کو پیدا کیا (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" ہم نے زمین ہی سے تمہیں پیدا کیا اور اسی میں پھر تمہیں لوٹا دیں گے اور اسی سے پھر دوسری بار نکالیں گے" پھر اللہ تعالیٰ نے رُوحوں کو جسموں میں داخل ہونے کا حکم دیا۔ پس وہ اللہ کے امر سے داخل ہوگئیں۔ جیسا کہ اللہ عزّوجل نے فرمایا ہے" اور میں نے اپنی طرف سے اس میں رُوح پھونکی" پس جب ارواح واجساد کا رشتہ استوار ہوگیا۔ اور روحیں جسموں کے ساتھ مانوس ہوگئیں اور عہد میثاق (قول و قرار) کو فراموش کر دیا۔ جو اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ اور قَالُوْا بَلٰی کے

دن ہوا تھا (جس دن اللہ تعالیٰ نے ارواح کو مخاطب کر کے فرمایا "کیا میں تمہارا رب نہیں" تو سب نے بالاتفاق جواب دیا "کیوں نہیں" بے شک آپ ہمارے پروردگار ہیں) تو اصلی وطن کی طرف رجوع نہ کیا۔ پس اللہ رحمان مددگار نے اُن پر آسمانی کتابیں نازل فرما کر انہیں اصلی وطن کی یاد دلائی چنانچہ ارشاد باری ہے "اور یاد دلائیں اُن کو اللہ کے ایام" یعنی ایام وصال جو ارواح دیکھ چکے تھے۔ چنانچہ جملہ انبیاء علیہم السلام اُس آگاہی کے لئے دُنیا میں تشریف لائے اور عالم عقبیٰ کو سدھارے لیکن بہت کم لوگوں نے نصیحت پر عمل کیا اور رجوع کیا۔ اِن کے دلوں میں وطن کی محبت نے جوش مارا اور وہ اصلی ٹھکانے پر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔ حتیٰ کہ سلسلہ نبوت روح اعظم (یعنی روح پرفتوح جناب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خاتم رسالت، ہادیٔ راہ ہدایت پر مکمل ہو گیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا تمام لوگوں کی طرف جو غفلت میں پڑے ہوئے تھے۔ تاکہ انکی بصیرت (دل کی آنکھ) کو غفلت کی نیند سے بیدار فرما دیں۔ آپ نے انکو اللہ تعالیٰ کی طرف اس کا وصال اور جمال ازلی حاصل کرنے کیلئے دعوت دی جیسا کہ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا (حبیب لبیب) فرما دیجئے "یہ میری راہ ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں اور جو میری اتباع کرتے ہیں۔ دل کی آنکھیں رکھتے ہیں۔" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں۔ اُن میں سے تم جس کی بھی اقتداء کرو گے۔ راہِ ہدایت پاؤ گے۔"

بصیرت اولیاء کے دل کے مقام میں روح کی آنکھ سے کھلتی ہے اور یہ ظاہری علم سے نہیں بلکہ باطنی لدنی علم سے حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے "اور ہم نے اُسے اپنا لدنی علم عطا فرمایا۔ (علم لدنی وہ ہے جو بندہ کو

بطریق الہام حاصل ہو) پس انسان پر واجب ہے کہ اہل بصیرت کی موافقت اور عالم لاہوت (عالم ذاتِ باری) کے واقف کار دلی مرشد کی تلقین و تعلیم سے وہ آنکھ حاصل کرے۔ بھائیو! خبردار ہو جاؤ اور توبہ کرتے ہوئے اپنے رب کی بخشش کی طرف دوڑو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور دوڑو (توبہ واداے فرائض و طاعات و اخلاص عمل اختیار کرکے) اپنے رب کی بخشش اور ایسی جنت کی طرف جس کا عرض (چوڑائی) زمین و آسمان ہے (یعنی جس کی وسعت بے اندازہ ہے) پرہیز گاروں کیلئے تیار کی گئی ہے۔" راہِ طریقت اختیار کرو اور ان روحانی قافلوں کی معیت میں اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔ کیونکہ عنقریب اِس عالم کا راستہ منقطع ہو جائے گا اور کوئی رفیق راہ نہ ملے گا۔ ہم اس برباد ہونے والی کمینی دُنیا میں نہ تو دائمی قیام کے لئے آئے ہیں نہ کھانے اور پینے کیلئے اور نہ خبیث نفس کی لذات اور خواہشات پر قناعت کرنے کے لئے۔

تمہارے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم تمہارا انتظار کر رہے ہیں اور تمہاری خاطر غمزدہ ہیں جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مجھے اپنے اُن امتیوں کا غم ہے جو آخر زمانہ میں آنے والے ہیں۔"

علم:- ہم پر دو قسم کا علم نازل کیا گیا ہے۔ علم ظاہری اور علم باطنی یعنی علم شریعت اور علم طریقت۔ شریعت کا حکم ہمارے ظاہر پر اور معرفت کا امر ہمارے باطن پر ہے۔ دونوں علم جمع ہو جائیں تو نتیجہ علم حقیقت ہے۔ جس طرح درخت اور پتوں کے اجتماع کا ماحصل پھل ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے" اس نے دو سمندر بہائے کہ دیکھنے میں ملے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے مابین حد فاصل ہے کہ ایک دوسرے پر بڑھ نہیں سکتا۔"

(آیہ کریمہ) محض علم ظاہری سے حقیقت حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی منزل مقصود پر پہنچ سکتے ہیں۔ کامل عبادت (یعنی معرفت الہیٰ) کے لئے دونوں علوم ضروری ہیں، ایک علم کافی نہیں۔ جیسا کہ فرمانِ الہیٰ ہے میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ یعنی میری معرفت حاصل کریں۔ پس جو اُس ذاتِ باری کو پہچانتا ہی نہیں وہ کس طرح اُس کی عبادت کر سکتا ہے۔ معرفت صفائیٔ قلب اور دل کے آئینہ سے نفس کا حجاب دُور کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ پھر اس میں کنزِ مخفی (پوشیدہ خزانۂ انوارِ الہیٰ) دل کی گہرائی کے سر (مقام راز) کے اندر مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے"میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ میں جانا پہچانا جاؤں۔ پس میں نے مخلوق کو پیدا کیا کہ وہ میری معرفت حاصل کریں۔ لہٰذا یہ بات واضح ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی معرفت (پہچان) کے لئے پیدا کیا ہے۔

معرفت: ۔ معرفت دو قسم کی ہے (۱) معرفت صفاتِ الہٰیہ (۲) معرفت ذات الہیٰ۔ معرفت صفات دونوں جہاں میں وجود کا حصہ ہے اور معرفتِ ذات آخرت میں روح قدسی (پاکیزہ روح یا روح الہیٰ) کا نصیبہ ہے چنانچہ فرمانِ ایزدی ہے"اور ہم نے اس کی پاکیزہ روح (یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام) سے مدد کی" اور وہ روح قدس کے ساتھ مدد کئے جاتے ہیں۔ یہ دونوں معرفتیں (معرفت ذات و معرفت صفات) بغیر ہر دو علوم ظاہری اور باطنی (جن کے ساتھ اُن کا ذکر ہو چکا ہے) حاصل نہیں ہو سکتیں۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا۔ علم دو طرح کا ہے (۱) علم جس کا تعلق زبان سے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حجت (دلیل) ہے۔ اپنے بندوں پر (۲) علم جس کا تعلق دل سے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی

حُجَّت (دلیل) ہے اپنے بندوں پر (۲) علم جسکا تعلق دل سے ہے۔ یہ علم حصولِ مقصد کیلئے نفع بخش ہے۔ اِنسان کو پہلے علم شریعت کی ضرورت ہے۔ تاکہ بدن عالم معرفتِ صفات میں اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کر سکے اور وہ درجات ہیں اُس کے بعد علم باطنی کی ضرورت ہے تاکہ رُوح کو عالم معرفت میں معرفتِ ذاتِ الٰہی حاصِل ہو جائے اور وہ شریعت اور طریقت کے خلاف رسومات ترک کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ اِس کا حاصل ہونا ایسی نفسانی اور روحانی مشقتیں اور ریاضتیں اختیار کرنے سے ہے جو محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے ہوں کسی کو دکھلانے اور سنانے کے لئے نہ ہوں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "پس جو اپنے رب سے ملنے کی اُمید رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے" اور عالم معرفت یعنی عالم لاہوت وہی وطن اصلی ہے۔ جس کا ذکر اوپر ہو چکا۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے روح قدسی (پاکیزہ رُوح) کو اچھی صُورت پر پیدا کیا۔ رُوح قدسی سے مراد انسان حقیقی ہے۔ جو دل کی گہرائی میں ودلیعت (امانت) رکھا گیا ہے۔ اِس کے وجود کا ظہور توبہ، تلقین اور کلمہ توحید لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اول زبان سے دائمی ذکر کرنے سے ہوتا ہے۔ اِس طور پر کہ دِل زندہ ہو جانے کے بعد زبان حال سے کلمہ کا ذکر کیا۔ اِس وقت صوفیائے کرام اپنی اصطلاح میں اس کا نام طفل المعانی رکھتے ہیں کیونکہ وہ معانی قدسیہ اور (صفات باطنیہ) سے ہویدا ہوتا ہے اور اُس کا نام طفل المعانی چند وجوہ سے ہے (اوّل) یہ کہ وہ دل سے پیدا ہوتا ہے جیسے بچہ ماں کے بطن سے پیدا ہوتا ہے اور باپ اس کی پرورش کرتا ہے اور وہ آہستہ آہستہ بڑا ہو کر سن بلوغت کو پہنچ جاتا ہے۔

(دوئم) یہ کہ بچوں کو عموماً ظاہری علم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اسی طرح اس بچّے کو بھی علمِ معرفت کی تعلیم دی جاتی ہے۔

(سوئم) یہ کہ جس طرح (دنیوی) بچّہ ظاہری گناہوں کی میل کچیل سے پاک صاف کیا جاتا ہے۔ اسی طرح یہ طفل بھی شرک، غفلت اور جسمانیت (وجودِ ظاہری) کی میل سے پاک کیا جاتا ہے۔

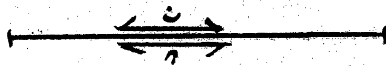
(چہارم) یہ کہ بچّے کی اس پاک صاف صورت کی مانند طہارت و پاکیزگی میں بڑھ جاتا ہے تو خوابوں میں مطلوب و مقصود کی صورت پر فرشتوں کی مانند دکھائی دیتا ہے۔

(پنجم) یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نتائج جنّت کو طفولیت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے اور ان کے (اہل جنّت کے) گرد لیئے پھریں گے (آداب خدمت کے ساتھ) ہمیشہ رہنے والے لڑکے" نیز فرمایا۔ (اہل جنّت کی خدمت کے لئے) لڑکے ہوں گے۔ گویا کہ وہ چھپائے ہوئے موتی ہیں۔

(ششم) اس کا یہ نام اس کی پاکیزگی اور لطافت کے لحاظ سے ہے۔

(ہفتم) بدن کے ساتھ تعلق ہونے کے اعتبار سے اور بشری صورت کے لحاظ سے اس پر اس نام (یعنی طفل) کا اطلاق محض مجاز کے طور پر ہے۔ یہ اطلاق اس کی ملاحت (اچھی اور خوبصورت) کے باعث ہے۔ نہ اس کے فقر و غنا اور صفائی باطن کی وجہ سے اور اس کے ابتدائی حالات پر ایک نظر ڈالنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ وہ انسان حقیقی ہے کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسی نسبت ہے کہ جسم اور ـــــ اس کے حال سے واقف نہیں بموجب ارشاد عالی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میرے لئے اللہ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہے جس میں نہ کسی مقرب فرشتے اور نہ کسی نبی مرسل کو گنجائش ہے۔

اس سے مُراد بشریت جناب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ہے۔ اور ملک مقرب سے
مُراد ایسی رُوحانیت ہے جو نورِ جبروت سے پیدا کی گئی ہے۔ چنانچہ فرشتہ
بھی اس نور سے پیدا کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے نُورِ لاہوت میں مقام دخل
نہیں ہے۔ حضور علیہ الصلواۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے۔ تحقیق اللہ تعالیٰ
کے ہاں ایسی جنّت ہے۔ جس میں نہ حور و قصور ہے اور نہ شہد و دودھ' اس
میں صرف ذاتِ باری کا دیدار کیا جائے گا" جیسا کہ اللہ جل جلالہ نے فرمایا۔
"کچھ چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے" اور جیسا کہ حضور علیہ الصلواۃ والسلام کا
ارشاد عالی ہے" عنقریب تم اپنے پروردگار کو دیکھو گے جیسا کہ چودھویں
رات کا چاند دیکھتے ہو"۔ اگر فرشتہ یا جسمانی (جسم سے تعلق رکھنے والا انسان وغیرہ)
اس عالم میں داخل ہو تو اس کو جلا دے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث قُدسی میں
فرمایا" اگر میں اپنے انوارِ عظمت و جلال ظاہر کر دوں تو ہر شے جہاں تک میرا
جلوہ پہنچے جل جائے۔ جیسا کہ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی" اگر میں سرِ انگشت
کے برابر بھی آگے بڑھوں تو جل جاؤں گا"



فصلِ اوّل

اِنسان کے اصلی وطن کی طرف رجوع کرنے کے بیان میں

اِنسان دو قسم کے ہیں۔ جسمانی اور روحانی۔ جسمانی قسم کے اِنسان عام ہیں اور روحانی انسان خاص ہیں۔ انسان عام کا رجوع اپنے وطن کی طرف ہے اور وہ درجات ہیں جو علم شریعت طریقت اور معرفت کے احکام پر عمل کرنے حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا: "حکمت جامعہ کامل حق کی شناخت ہے جبکہ عمل بلا ریا اور تصنع ہو (اخلاص پر مبنی ہو) کیونکہ درجات کے تین طبقے ہیں (پہلا) وہ جنّت جو عالم ملک میں ہے اور وہ جنّت الماویٰ ہے۔ (دوسرا) وہ جنّت جو عالم الملکوت میں ہے اور وہ جنّت النعیم۔ (تیسرا) وہ جنّت جو عالم جبروت میں ہے اور وہ جنّت الفردوس ہے۔ بس یہ جسمانی نعمتیں ہیں۔ اور جسم تین علوم یعنی علم شریعت۔ علم طریقت اور علم معرفت کے بغیر اپنے عالم میں نہیں پہنچ سکتا۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا" حکمت جامعہ حق کی شناخت اور اس پر عمل کرنا ہے اور باطل کی پہچان اور اس کو ترک کرنا ہے اور جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے" الہٰی ہم پر حق واضح فرما دے (حق کو حق سمجھیں) اور اتباع حق کو توفیق عطا فرما اور ہمیں باطل کو باطل ہی دکھا۔ یعنی ہماری نظروں میں باطل نظر آئے) اور اس سے بچنے کی قوت عنایت فرما۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا ہے" جس نے اپنے نفس اور پیدا کرنے والے کو پہچان لیا۔ اس نے بالتحقیق اپنے رب (پالنے والے کو) پہچان لیا اور اس کی فرمانبرداری کی"۔ اِنسان خاص کا منزلِ مقصود وطن اصلی میں پہنچ کر قرب الہٰی حاصل کرنا ہے۔

جس کے حصول کا ذریعہ علم حقیقت یعنی عالم قربت (لاہوت) میں توحید ہے
حیاتِ دنیوی میں اس کو بہ سبب اپنی عادات کے یہ مقام حاصل ہوجاتا ہے
اِس کا سونا اور جاگنا برابر ہوجاتا ہے بلکہ جب جسم سوجاتا ہے تو دل کی فرصت
ملجاتی ہے۔ پس وہ کبھی کلیتہً اور کبھی جزوی طور پر اپنے اصلی وطن میں پہنچ جاتا ہے۔
جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے" "اللہ تعالیٰ جانوں کو قبض کرلیتا
ہے۔ ان کی موت کے وقت اور جو نہیں مرے ان کو (وفات دیتا ہے)
ان کی نیند میں۔ پھر جس پر موت کا حکم صادر فرماتا ہے۔ اُسے روک
رکھتا ہے (یعنی اس کی جان کو اس کی طرف واپس نہیں کرتا) اور دوسرے کو
(جس کی موت ابھی مقدر نہیں فرمائی) ایک میعاد مقررہ تک واپس بھیج
دیتا ہے"۔ اسی واسطے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے "نور توحید سے دل کے
زندہ ہونے اور زبان حال سے بغیر حرف اور آواز کے اسماءِ توحید کا دائمی
ذکر حاصل ہونے کے بعد عالم کی نیند جاہل کی عبادت سے بہتر ہے" جیسا کہ
اللہ تعالیٰ نے حدیثِ قدسی میں فرمایا ہے" انسان میرا راز ہے اور میں اس کا
راز ہوں"۔ نیز فرمایا "باطنی علم میرے رازسے ایک راز ہے۔ جس کو میں اپنے
بندوں کے دل میں رکھتا ہوں اور جس پہ میرے سوا کوئی آگاہ نہیں"۔
چنانچہ حدیثِ قدسی میں فرمایا "میں اپنے بندے کے گمان کے نزدیک ہوں
اور اس کے ساتھ ہوں جس وقت وہ مجھے یاد کرتا ہے اور اگر وہ مجھے دل میں
یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے جماعت میں
یاد کرتا ہے تو میں اس کو اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں"۔ اس سے
مراد علم تفکر ہے جو انسان کے وجود کے اندر ہے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا
ارشاد عالی ہے" فکر کی ایک گھڑی ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے" نیز فرمایا۔

"فکر کی ایک ساعت ستّر سال کی عبادت سے بہتر ہے"۔ پھر فرمایا "تفکر کی ایک گھڑی ہزار برس کی عبادت سے افضل ہے"۔ ان ہر سہ احادیث میں تطبیق اس طرح ہوگی۔ جس نے فروعات کی تفاصیل میں غور کیا اس کا ایک ساعت فکر کرنا ایک سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ جس نے فرض عبادت کی معرفت میں ایک ساعت فکر کیا اس کی فکر ستّر سال کی عبادت سے افضل ہے اور جس نے ایک گھڑی اللہ تعالیٰ کی معرفت میں تفکر کیا اس کی فکر ہزار برس کی عبادت سے بہتر ہے اور وہ علم عرفان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید۔ عارف اس علم کے واسطے سے اپنے مطلوب و محبوب تک پہنچ جاتا ہے اور انجام کار عالم لاہوت (یعنی عالم قرب الٰہی) کی طرف اسے روحانی پرواز حاصل ہو جاتی ہے۔ عابد جنت کی طرف سیر کرنے والا اور عارف مقام قرب کی جانب پرواز کرنے والا ہے۔ کسی شاعر نے اہل معرفت کے حق میں لکھا ہے ؎

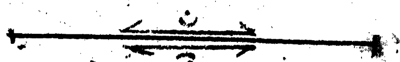
قُلُوْبُ الْعَاشِقِیْنَ لَہَا عُیُوْنٌ ۔۔۔ تَرٰی مَالَا یَرَاہَا النَّاظِرُوْنَا

لَہَا اَجْنِحَۃٌ تَطِیْرُ بِغَیْرِ رِیْشٍ ۔۔۔ اِلٰی مَلَکُوْتِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَا

ترجمہ:۔ "عاشقوں کے دلوں کے لیے ایسی آنکھیں ہیں جو اُن اُمور کا مُشاہدہ کرتی ہیں جن کو لوگ نہیں دیکھ سکتے ۔۔۔ اِن کے لیے بال و پر بازو ہیں جن کے ساتھ وہ رب العالمین کے عالم ملکوت کی طرف پرواز کر جاتے ہیں"۔

پس یہ پرواز کرنے والا عارف کے باطن میں ہے اور وہی اِنسان حقیقی ہے۔ اللہ عزوجل کا محبوب۔ اِس کا محرم اور عروس (دلہن) ہے جیسا کہ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ اہل اللہ عرائس اللہ (اللہ تعالیٰ کی دلہنیں ہیں) جس طرح محرم کے سوا دلہنوں کو کوئی نہیں جانتا پہچانتا اسی طرح وہ بھی بشریت کے پردے میں چھپے ہوئے ہیں۔ انھیں سوائے

اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں دیکھتا۔ چنانچہ حدیث قدسی میں اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے "میرے دوست میری قبا کے نیچے ہیں انھیں سوائے میرے کوئی نہیں پہچانتا" اور لوگ ظاہراً سوائے دُلہن کی ظاہری زینت کے کچھ نہیں دیکھ سکتے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہٗ نے فرمایا" ولی اللہ تعالیٰ کا خوشبودار پھول ہے اس کی سرزمین میں صدیق (یعنی انبیاء علیہم السلام کے سچے متبعین) اس کو سونگھتے ہیں۔ اِس کی خوشبو ان کے دلوں میں اثر کر جاتی ہے تو ان کا جذبۂ شوق اپنے مولیٰ کی طرف بڑھ جاتا ہے۔ ان کی عبادت ان کے اخلاق کے فرق اور درجۂ فنا کے مطابق بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ جتنا زیادہ قریب ہو اتنا ہی زیادہ مرتبۂ فنا حاصل ہو جاتا ہے۔ پس ولی وہ ہے جو اپنے حال میں فانی ہو اور مشاہدۂ حق میں اس کو بقا حاصل ہو۔ نہ اس کو اپنی ذات سے کچھ اختیار ہو اور نہ ہی اس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے ساتھ قرار ہو۔ ایسا شخص کرامات کے ساتھ تائید کیا جاتا ہے اور ان سے علیحدہ رکھا جاتا ہے کیونکہ کرامت ایک ایسی چیز ہے جس کا ظاہر کرنا مناسب نہیں ہوتا۔ ربوبیت کے راز کو ظاہر کرنا (اہل اللہ کے نزدیک) کفر ہے۔ اصحابِ کرامات سب کے سب محجوب ہیں (یعنی اظہارِ کرامات کے سبب معرفتِ الٰہی سے محروم ہیں) کرامت مردانِ راہ خدا کیلئے مثل حیض کے ہے۔ ولی کے لیے ہزار مقامات ہیں اور سب سے پہلے بابِ کرامات ہے جو اس سے گذر گیا اس نے باقی مقامات بھی پالئے ورنہ محروم رہ گیا۔



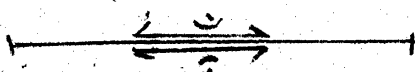
دوسری فصل

انسان کو اسفل ترین حالت میں پھیر دینے کے بیان میں

جب اللہ تعالیٰ نے روح قدسی (روح الٰہی) کو اچھی صورت پر عالم لاہوت میں پیدا کیا تو اس کو سب سے نیچی حالت کی طرف لوٹانے کا ارادہ فرمایا تاکہ غلبۂ شوق و محبت لقاءِ باری تعالیٰ کے باعث اس کو راستی کے مقام میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور زیادہ قرب حاصل ہو اور یہ مقام اولیاء اور انبیاء علیہم السلام کا ہے۔ پہلے اس کو بذر (یعنی بیج) توحید کے ساتھ عالم جبروت کی طرف لوٹایا۔ پس عالم نورانیت سے اس عالم میں ودیعت (امانت) رکھا اور اس عالم کا لباس پہنایا۔ اسی طرح عالم ملک کی طرف بھیجا تو اس کے لئے لباسِ عنصری پیدا فرمایا (عنصر یعنی آگ، ہوا، پانی اور مٹی) تاکہ اس سے عالم ملک یعنی یہ جسم کثیف جل نہ جائے۔ لباس جبروتی کے لحاظ سے اس کا نام روحِ سلطانی، باعتبار عالم ملکوتی روح سیرانی و روانی اور بلحاظ لباسِ ملکی روحِ جسمانی رکھا۔ چونکہ مقامِ اسفل کی طرف آنے کا مقصد یہ تھا کہ انسان دل اور جسم کے ذریعہ زیادہ قرب اور مرتبہ حاصل کرے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے توحید کا بیج دل کی زمین میں کاشت کرے کہ اس میں توحید کا درخت اُگے جس کی جڑ فضائے سر میں قائم و محکم ہو اور وہ توحید کے پھلوں سے بار آور ہو۔

نیز شریعت کا بیج دل کی زمین میں بوئے کہ اس میں شریعت کا درخت پیدا ہو کر درجات کے پھل لائے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو

جسم میں داخل ہونے کا حکم دیا اور اس میں ہر ایک کے لیے ایک مقام مخصوص کیا گیا۔ چنانچہ روحِ جسمانی کا مقام خون اور گوشت کے درمیان ہے اور روح قدسی کا مقام سِر ہے (سِر صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ایک مقام ہے جو حاملِ روحِ الٰہی ہے جس طرح خون اور گوشت حاملِ روحِ جسمانی)۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کی اس وجود کی بستی میں ایک دُکان ہے، سامانِ تجارت ہے، منافع ہے ایسی خرید و فروخت ہے جو کبھی فنا نہیں ہوگی۔ جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
"جو ہمارے دیئے سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں پوشیدہ اور ظاہر (طور سے) وہ ایسی تجارت کے اُمیدوار ہیں جس میں ہرگز نقصان نہیں"۔
ہر انسان کو اپنی ہستی کے اندرونی معاملات کو جاننا اور پہچاننا لازمی ہے کیونکہ یہاں جو کچھ حاصل ہوتا ہے۔ وہ اس کے گلے سے لگا دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "کیا انسان نہیں جانتا جب اُٹھائے جائینگے جو قبروں میں ہیں اور کھول دی جائیگی (وہ حقیقت) جو سینوں میں ہے"۔ نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ "اور ہر انسان کی قسمت ہم نے اس کے گلے سے لگا دی ہے"۔



تیسری فصل

جسموں میں ارواح کے تصرف کے بیان میں

جسم کی بستی میں روحِ جسمانی کی دکان (یعنی مقام) سینہ اور اعضائے ظاہری میں اور اس کی متاع شریعت ہے اور اس کا معاملہ (تجارت) شریعت کے ظاہری احکام (جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کیا ہے) پر عمل کرنا ہے (جسمیں شائبہ شرک نہ ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے"۔

اللہ طاق (واحد) ہے اور طاق کو پسند رکھتا ہے۔ یعنی ایسا عمل جو بغیر ریا اور تصنع اور بغیر کسی دنیوی لالچ کے ہو۔ کیونکہ ولایت (اکتسابی) مکاشفہ یعنے عالم ملک میں زمین سے آسمان تک (تمام کائنات کا) مشاہدہ اور اس کی مثل دیگر کرامات مثلاً پانی پر چلنا، ہوا میں پرواز کرنا، طی المکان (ایک جگہ سے دوسری جگہ کرامت سے ایک لمحہ میں پہنچ جانا) دور سے سن لینا، بدن کے اندرونی راز کو دیکھ لینا وغیرہ وغیرہ (یہ سب) رہبانیت کے مراتب سے ہے۔ لیکن آخرت میں اس تجارت کا نفع جنت، حور و قصور، غلمان، شرابِ طہور اور دیگر نعمتیں ہیں جو پہلی جنت میں پائی جاتی ہیں جس کو جنت الماویٰ کہتے ہیں۔ روحِ روانی کا مقام دل ہے اور اس کی متاعِ علم طریقت ہے۔ اسکا معاملہ (تجارت) بارہ اسماء اصول میں سے پہلے چار اسماء کا ذکر و شغل ہے اس طریقہ پر کہ آواز و حروف کو اس میں دخل نہ ہو۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے" (حبیب لبیب) فرما دیجئے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمن کہہ کر جو کہہ کر پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں"۔

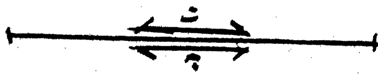
نیز فرمایا" اللہ تعالیٰ کے بہت اچھے نام ہیں تو اسے ان (ناموں) سے پکارو"
آیاتِ مذکورہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اسماءِ حسنیٰ، شغلِ قلبی
یعنی علمِ باطن کے محل ہیں (قلبی توجہ اور ذکر کا تعلق نہ صرف ذات وصفات سے
ہے بلکہ اسماء سے بھی ہے) اور معرفت اسماء توحید کا نتیجہ ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کا ارشاد عالی ہے "اللہ تعالیٰ کے ننانوے 99 نام ہیں جس نے اُن کو شمار کر لیا
وہ جنّت میں داخل ہو گیا" نیز ارشاد فرمایا "درس ایک حرف ہے اور تکرار ہزار بار ہے۔
اور گنتی سے مُراد یہ ہے کہ انسان ان اسماء کی صفات اور اخلاق سے متصف
اور متخلق ہو جائے (یعنی ان اسماء کی حقیقی صفات، رنگ اور خوشبو اس میں
پیدا ہو جائے) اور یہ بارہ ۱۲ اسماء کلمہ توحید لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے بارہ ۱۲ حروف
کی تعداد کے مُطابق، باری تعالیٰ کے اسماءِ اُصول ہیں (اصول، اصل کی جمع ہے اور
اصل کے معنی جڑ یا بنیاد ہے) اللہ تعالیٰ نے مختلف قلبی ہیئتوں میں ہر حرف کے لیے
ایک اسم ثابت کیا ہے۔ ہر عالم کے لیئے تین اسماء ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر اہل محبّت
کے دل ثابت کیئے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے "اللہ تعالیٰ
دُنیا کی زندگی میں اور آخرت میں، ایمان والوں کو حق بات پر ثابت رکھے گا"
اور ان پر تسکین محبّت اُتاری اور ثابت کیا اللہ تعالیٰ نے شجرِ توحید کو جسکی
جڑ ساتویں زمین میں ہے بلکہ اس سے بھی نیچے ثریٰ میں (ثریٰ، نمناک مٹی کو کہتے
ہیں جو زمین کے نیچے ہوتی ہے) اور اس کی شاخیں آسمان میں عرش سے بالا ہیں۔
جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اس کی مثال ایک پاکیزہ درخت کی ہے۔ جس کی جڑ
قائم اور شاخیں آسمان میں ہیں"۔ (اروحِ روانی کی تجارت کا منافع حیاتِ قلب ہے)
اور حیاتِ قلب (یعنی دل زندہ ہو جانے سے) کو عالم ملکوت میں مشاہدہ حاصل ہو جاتا
ہے۔ مثلاً جنّت، اس کے اہل اس کے انوار اور ملائکہ کا مشاہدہ کرتا ہے۔

اور اسماءِ باطنی (جو بغیر حروف و آواز کے ہیں) کا ملاحظہ کر کے وہ زبانِ حال سے باطنی گفتگو کرتا ہے۔ آخرت میں اس کا مسکن دوسری جنّت ہے جس کو جنّتِ نعیم کہتے ہیں۔ رُوحِ سلطانی کی دُکان (یعنی مقام) فواد ہے۔ اس کی متاع معرفت اور اس کا معاملہ زبانِ دِل سے چار اسماءِ متوسط کا دائمی ذکر ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "علم دو طرح کا ہے (۱) وہ علم جس کا زبان سے تعلق ہے۔ یہ مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے۔ اور (۲) وہ علم جس کا تعلق دل سے ہے یہ علم نافع ہے کیونکہ اس دائرہ میں اس کا بے اندازہ ہے"۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "قرآن کریم مشتمل بر الفاظ و معانی ظاہری اور اسرار و رموز باطنی ہے"۔ نیز فرمایا "اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کو دس باطنی رموز پر نازل فرمایا ہے"۔ ہر بطن بے حد نافع اور مفید ترین ہے کیونکہ وہ قرآن مجید کا مغز ہے۔ یہ اسماء (یعنی بارہ اسماء الاصول) بمنزلہ اِن بارہ چشموں کے ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصاء کی ضرب سے جاری ہوئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اور جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے فرمایا اس پتھر پہ اپنا عصا مارو۔ فوراً اس میں سے بارہ[۱۲] چشمے بہہ نکلے ہر گروہ نے اپنی گھاٹ (پانی پینے کی جگہ) پہچان لی"۔ علم ظاہری عارضی بارش کے پانی کی مثل ہے اور علم باطنی اصلی چشمہ کے مانند۔ اس لئے یہ پہلے (علم ظاہری) کی نسبت زیادہ نفع رساں ہے۔ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے "اور ان کے لئے مردہ زمین میں ایک نشانی ہے۔ ہم نے اسے زندہ کیا پھر اس سے اناج نکالا تو وہ اس میں سے کھاتے ہیں"۔ اللہ تعالیٰ نے زمینِ آفاق (دنیا) سے اناج پیدا کیا۔ جو نفسانی زندگی کے لئے قوت ہے اور جانوں کے اندر ایسی غذا پیدا کی جو ارواح کے لئے قوتِ روحانی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "جو

چالیسویں روز تک اللہ تعالیٰ کی اطاعت خلوص دل سے بغیر ریا و تصنع کے کرے اس کے دل سے حکمت و دانائی کے چشمے اس کی زبان پر ظاہر ہو جاتے ہیں"۔ اور اس کا نفع (یعنی روح سلطانی کی تجارت کا منافع) دیدار عکس جمال باری تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا"۔ (یعنی سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک نے اس کی تصدیق فرمائی جو چشم مبارک نے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ کو چشم مبارک سے دیکھا اور دل سے پہچانا) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" مومن آئینہ مومن ہے"۔ پہلے لفظ مومن سے عبد مومن کا دل مراد ہے اور دوسرے سے ذات باری تعالیٰ۔ جیسا کہ قرآن پاک میں آیا ہے۔ اَلْمُؤْمِنُ الْمُھَیْمِنُ (مومن یعنی امان بخشنے والا اور مہیمن یعنی حفاظت فرمانے والا (اللہ تعالیٰ کے دو اسماء ہیں) اس گروہ کا مسکن تیسری جنت ہے جسے جنت الفردوس کہتے ہیں اور روح قدسی کی دکان مقام سِرّ میں ہے۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا" انسان میرا سرّ (راز) ہے اور میں اس کا سرّ ہوں" اور اسکی متاع علم حقیقت یعنی علم توحید ہے اور اس کا معاملہ (تجارت) زبان سرّ سے (جس میں گویائی کو دخل نہیں) آخری چار اسماء توحید کا ذکر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے" اگر تو بات پکار کر کہے تو وہ بھید کو جانتا ہے اور اسے بھی جانتا ہے جو اس سے زیادہ مخفی ہے"۔ پس اللہ تعالیٰ کے سوا اس پر کوئی مطلع نہیں۔ اس کا نفع (یعنی روح قدسی کی تجارت کا منافع) طفل معانی کا ظہور ہے اور اس کا مشاہدہ، معائنہ اور دل کی آنکھ سے ذات باری کو بصفات جلالی و جمالی دیکھنا ہے۔ کچھ چہرے اس دن تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کو بلا کیف و کیفیت اور بلا تشبیہ دیکھنے پر جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"اس جیسا کوئی نہیں ہے اور وہ سُنتا اور دیکھتا ہے" جب انسان اپنے مقصود کو پہنچتا ہے تو عقلیں چکر میں آجاتی ہیں۔ دل حیرت زدہ ہوجاتے ہیں اور زبانیں بند ہوجاتی ہیں اور انسان اس مشاہدہ یا کیفیت کو بتلا نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ تشبیہہ اور مثال سے پاک ہے۔

علماء کا فرض ہے کہ جب انھیں اس قسم کی اطلاعات بہم پہنچیں یعنی جب وہ ان مقامات کا مُطالعہ کریں جن کا ذکر اس مقالے میں کیا گیا ہے تو ان کا انکار نہ کریں بلکہ مُقاماتِ علوم سے ان کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اِن کی کُنہ اور حقائق پر نظر فائر ڈالیں اور مقامِ اعلیٰ علیین (جو ساتویں آسمان پر زیرِ عرش ہے) کی طرف توجہ منعطف کریں اور انتہائی جدوجہد کریں تاکہ علم لدُنّی اور معرفتِ ذاتِ احدیت سے بہرہ ور ہوجائیں۔



چوتھی فصل

علوم کے بیان میں

علم ظاہری کی بارہ شاخیں ہیں اور اسی طرح علم باطنی کے بھی بارہ فنون ہیں جو کہ عام و خاص ہیں ان کی استعداد اور قابلیت کے مُطابق تقسیم کیے گئے ہیں۔ یہ علوم چار بابوں پر منحصر ہیں۔

باب اوّل:۔ علم شریعت کا ظاہری پہلو جو امر و نہی اور جملہ احکام پر مشتمل ہے۔

باب دوّم :۔ اس کا باطن جس کو میں نے علم باطن اور طریقت کے نام سے موسوم کیا ہے۔
باب سوّم :۔ علمِ باطن یعنی علم معرفت۔
باب چہارم :۔ وہ علم جو تمام بطون کی اصل ہے میں نے اس کو علم حقیقت کے نام سے موسوم کیا ہے۔

اِن تمام علوم کا حاصل کرنا نہایت ضروری ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے "شریعت ایک درخت ہے، طریقت اسکی شاخیں، معرفت اس کے پتے اور حقیقت اس کا پھل ہے" اور قرآن مجید ان تمام کا جامع ہے۔ رہنمائی کیلئے از روئے تفسیر یا تاویل اسمیں دلیل و ثبوت اور رموز و اشارات موجود ہیں۔ تفسیر عوام کیلئے ہے اور تاویل خواص کیلئے کیونکہ وہ علماء راسخون (یعنی پختہ علم والے) ہیں اور رسوخ کے معنی علم میں مضبوطی، قرار اور پختگی ہے۔ اس درخت خرما کی طرح جس کی جڑ زمین میں قائم ہے اور اسکی شاخیں آسمان میں ہیں اور یہ پختگی اس کلمہ کا نتیجہ ہے جس کا بیج قلب کی صفائی کے بعد دل کی گہرائی میں بویا گیا ہے۔ ایک قول کے مطابق اللہ تعالیٰ کے فرمودہ کلمات وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ اور اِلَّا اللہ حرف عطف کے ساتھ ایک دوسرے کیساتھ ملائے گئے ہیں۔

(نوٹ) :۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آیات دو قسم کی ہیں محکمات اور متشابہات۔ محکمات وہ ہیں جو صاف معنی رکھتی ہیں اور متشابہات وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے۔ متشابہات کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗ اِلَّا اللہُ وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ...... الخ اِلَّا اللہ پر وقف لازم ہے تو معنی یہ ہوئے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے متشابہات کی تاویل کوئی نہیں جانتا۔ سرکار اقدس صاحب سرالاسرار سلطان الاولیاء

والعارفین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک قول کے مطابق اِلَّا اللّٰہُ اور الرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ حرف عطف (و) کے ساتھ ملا دیئے گئے ہیں اور معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اور راسخون فی العلم اس کی تاویل کو جانتے ہیں۔ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ قَالَ اَنَا مِنَ الرَّاسِخِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْلَمُ تَاوِیْلَہٗ۔ یعنی ان راسخین فی العلم سے ہوں جو متشابہ کی تاویل جانتے ہیں۔) صاحب تفسیر کبیر نے لکھا ہے اگر یہ دروازہ کھولا جائے تو باطن کے تمام دروازے کھل جاتے ہیں۔ اس کے بعد بندہ اوامر و نواہی کی پابندی اور چاروں دائروں میں سے ہر دائرہ کے اندر نفس کی مخالفت کرنے کے لئے مکلف ہے۔ دائرہ شریعت میں نفس اوامر و نواہی کی مخالفت کرنے پر آمادہ کرتا ہے، دائرہ طریقت میں نفس دینی موافقت کے پردے میں دھوکہ دیکر گمراہ کرتا ہے اور نبوت اور ولایت کا دعویٰ کرنے پر برانگیختہ کرتا ہے، دائرہ معرفت میں نورانیت کی بناء پر نفس اسکو دھوکہ دے کر شرک خفی میں مبتلا کر دیتا ہے اور اس کو ربوبیت کا دعویٰ کرنے پر مائل کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو خدا بنا لیا۔

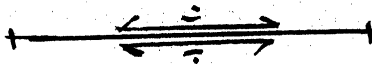
مگر دائرہ حقیقت میں شیطان، نفس اور ملائکہ دخل نہیں پا سکتے کیونکہ ماسویٰ اللہ اس میں جل جاتا ہے (جیسا کہ سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی "اگر میں سر انگشت کے برابر بھی آگے بڑھوں تو جل جاؤں گا۔") اس وقت بندہ دونوں دشمنوں (شیطان اور نفس) سے خلاصی پاتا ہے اور مخلص ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (شیطان بولا) "تیری عزت کی قسم میں ضرور ان سب کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے ان بندوں کے جو ان میں سے مخلص ہیں"۔

بندہ جب تک دائرہ حقیقت میں نہ پہنچے مخلص نہیں ہو سکتا کیونکہ صفات بشری کو جن میں غیریت کا مادہ ہے بجز تجلیٔ ذات باری تعالیٰ فنا حاصل نہیں ہو سکتی اور ذات سُبحانہٗ وتعالیٰ کی معرفت کے بغیر نادانی کا پردہ اُٹھ نہیں سکتا تو اللہ تعالیٰ اس کو خود بلا واسطہ غیرے علم لدنّی کی تعلیم فرماتا ہے۔ پس وہ خضر علیہ السلام کی طرح اللہ پاک کو اس کی تعریف سے پہچانتا اور اس کی تعلیم سے اس کی عبادت کرتا ہے۔ اس مقام پر ارواحِ قدسیہ کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کو اپنے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ پس وہ مقاماتِ محمدیہ سے واقف ہو جاتا ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اور انبیاء علیہم السلام اس کو وصالِ ابدی کی بشارت دیتے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں" جس کو اس علم کے ذریعے مقامِ وصال حاصل نہیں ہوا وہ فی الحقیقت عالم نہیں ہے۔ خواہ اس نے لاکھ کتابیں پڑھی ہوں کیونکہ وہ روحانیت کو نہیں پہنچا ہے۔ ظاہری علوم کے ذریعہ عمل جسمانی (بدنی عبادت وغیرہ) کی جزا صرف جنت ہے۔ وہاں صفاتِ الٰہی کا عکس ظاہر ہوتا ہے۔ محض ظاہری علم حاصل کرنے سے عالمِ حرمِ قُدسی اور منزلِ قرب (مقامِ لاہوت) میں داخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ عالمِ پرواز ہے اور اڑنے والا پرندہ دونوں بازوؤں کے بغیر اڑ نہیں سکتا۔ لہٰذا جو بندۂ خُدا ظاہری اور باطنی علوم کے واسطہ سے عمل کرتا ہے اس عالم میں اس کو رسائی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "اے میرے بندے! اگر تو میرے حرمِ پاک میں داخل ہونا چاہتا ہے تو عالمِ مُلک، ملکوت اور جبروت کی طرف التفات (توجہ) نہ کر کیونکہ عالمِ مُلک عالم کے لئے، عالمِ ملکوت عارف کے لئے اور عالمِ جبروت واقف کے لیے بمنزلہ شیطان ہے۔ جس نے ان مقامات میں سے

کسی ایک مقام کو پسند کر لیا وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہو گیا۔ یعنی اس کو اللہ تعالیٰ کا قرب نصیب نہ ہوا۔ لیکن درجات سے محروم نہیں کیا گیا۔ ایسے لوگ قربِ الٰہی چاہتے ہیں لیکن پا نہیں سکتے کیونکہ انھوں نے غیر مطلوب کی طلب اور آرزو کی۔ نیز انھیں ایک بازو ملا ہے (اور پرواز کیلئے دو بازو درکار ہیں) اہلِ قرب کو وہ چیز حاصل ہوتی ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی اور نہ ہی اس کا خیال کسی انسان کے دل میں آیا اور وہ جنت قرب ہے جس میں حور و قصور نہیں۔ انسان کیلئے لازم ہے کہ وہ اپنی ہستی کو پہنچانے اور اپنے نفس کی خاطر اس بات کا دعویٰ نہ کرے، جس کا اسے حق نہیں پہنچتا۔ جیسا کہ سیّدنا علی کرم اللہ وجہ کا ارشاد مبارک ہے:

اللہ تعالیٰ نے اس آدمی پر رحم فرمایا جس نے اپنی قدر پہچانی اور اپنی حد سے نہ بڑھا۔ اپنی زبان کی نگہبانی کی اور اپنی عمر کو ضائع نہ کیا"۔ عالم کیلئے ضروری ہے کہ وہ انسان حقیقی کے معنی جس کو "طفل المعانی" کہتے ہیں حاصل کر لے اور اسماءِ توحید کے دائمی ذکر سے اس کی تربیت کرے۔ عالمِ اجسام سے نکل کر عالمِ روحانیت کی طرف بڑھے۔ یہ عالم سِر ہے۔ اسمیں سوائے ذاتِ باری تعالیٰ کے کوئی دیار و احصار نہیں اور وہ نور کے صحرا کے مانند ہے جس کی انتہا نہیں۔ طفل المعانی (یعنی انسان حقیقی) اس میں پرواز کرتا ہے اور اس کے عجائب و غرائب دیکھتا ہے جن کا بتلانا ناممکن ہے (یہ مقام ان سچے توحید پرستوں کا ہے جو اپنی ہستی کو عین ذاتِ وحدت میں گم کر دیتے ہیں) اس کا وجود مشاہدۂ جمالِ الٰہی کے وقت کالعدم ہو جاتا ہے۔ جس طرح انسان سورج کے بالمقابل ہوتا ہے تو اس کی شعاعوں کی حدت اور روشنی کے باعث اس کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں اور اسے ارد گرد کی عمارات نظر نہیں آتیں۔ لہٰذا انسان جب

اللہ تعالیٰ کے جمال کا مشاہدہ کرتا ہے تو یقیناً محوِ نظارہ ہو جاتا ہے اور غلبۂ حیرت اور محویت کے باعث اسے اپنا وجود نظر نہیں آتا - جیسا کہ حضرت سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ہے "کہ انسان آسمانوں کی سلطنت میں داخل ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کی پیدائش پرندہ کی پیدائش کے مانند دوبارہ ہوتی ہے"۔ اس سے مراد انسانی قابلیت کی حقیقت سے طفل معانی روحانی کا تولد ہے اور وہ سِرِ انسان ہے۔ جس کی پیدائش کا سلسلہ اور اس کے وجود کا ظہور علم شریعت اور علم حقیقت کے اجتماع سے ہوتا ہے۔ کیونکہ جب مرد و زن کے نطفے باہم نہ ملیں بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے "ہم نے انسان کو پیدا کیا (مرد و عورت کے) ملے ہوئے نطفہ سے کہ اس کی آزمائش کریں"۔ اس طفل المعانی" (انسان حقیقی) کے ظہور کے بعد انسان خلق کے سمندروں کو پار کر کے امر (روحانیت) کی تہ تک پہنچ جاتا ہے (بلکہ تمام جہان عالم روح کے اندر پانی کے ایک قطرہ کی مانند ہے) اور اس کے بعد علوم روحانیت اور لدنّی کا فیض (بغیر حرف و آواز کے) جاری ہو جاتا ہے۔



پانچویں فصل

توبہ اور تلقین کے بیان میں

جان لے کہ مراتب مذکورہ سچی توبہ اور تلقین کامل مرشد کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اور پرہیز گاری کا کلمہ ان پر

لازم فرمایا۔ یعنی کلمۂ توحید لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ بشرطیکہ یہ کلمہ کسی پرہیزگار دل سے اخذ کیا جائے جو ماسوئی اللہ سے پاک ہو۔ (یعنی تلقین کرنے والا متقی اور صاف دِل ہو) اس سے مُراد وہ زبانی کلمہ نہیں جو ہر شخص پڑھتا ہے۔ لفظ اگرچہ ایک ہی ہے لیکن معنی میں بہت فرق ہے) کیونکہ توحید کا بیج کسی زندہ دِل (مُرشد) سے اخذ کرنے سے دل زندہ ہوجاتا ہے (پھر وہ بیج تُخم ریزی کیلئے) نہایت عمدہ اور پختہ ہوجاتا ہے اور ناقص یا خام بیج اُگنے کے قابل نہیں ہوتا۔ اسی لیئے قرآن مجید میں کلمہ توحید کا نزول دو جگہ پر فرمایا گیا ہے۔ ایک کا اطلاق قول ظاہر پر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جب اِن سے کہا جاتا ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یعنی اللہ کے سِواء کوئی معبود نہیں تو وہ تکبر کرتے ہیں"۔ یہ آیۂ کریمہ عوام کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ دوسرے قول کا تعلق علم حقیقی کے ساتھ ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "پس جان لو کہ اللہ تعالیٰ کے سِوا کوئی معبود نہیں اور (اے حبیب اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کے لیئے معافی طلب فرمایئے"۔ اس آیۂ شریف میں خواص کے لئے تلقینِ ذکر ہے۔

بیان تلقینِ ذکر: سب سے پہلے حضرت سیّدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہایت قریب اور سب سے افضل اور سہل ترین راہ طریقت کی تلقین کے لئے آرزو کی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انتظار وحی فرمایا۔ سیّدنا جبریل علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے اور تین مرتبہ اس کلمہ کی تلقین کی۔ پھر جس طرح سیّدنا جبریل علیہ السلام نے کہا اسی طرح حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے

اس کلمہ کو دُہرایا۔ اُس کے بعد شہنشاہِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سیّدنا علی رضی اللہ عنہٗ کو تعلیم فرمائی۔ بعدہٗ اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے پاس تشریف لے گئے اور سب کو اس کلمہ کی تلقین فرمائی پھر ارشاد فرمایا "ہم جہادِ اصغر سے لوٹتے ہیں اور جہادِ اکبر یعنی جہادِ نفس کی طرف آتے ہیں" چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی (صحابی رضی اللہ عنہٗ) سے فرمایا۔ "تمہارا سب سے بڑا دشمن تمہارا نفس ہے جو تمہارے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے۔ تمہیں اللہ تعالیٰ کی محبّت نصیب نہیں ہو سکتی جب تک کہ تمہیں اندرونی اعدا یعنی نفس امّارہ، نفس لوامّہ اور نفس ملہمہ پر غلبہ حاصل نہ ہو جائے اور وجود مذموم اور بہیمیہ اخلاق (مثلاً بکثرت کھانے پینے سونے اور لغو باتیں کرنے کی محبت اور عادات وحشیانہ (مثلاً غیظ و غضب، گالی گلوچ، مار پیٹ اور قہر) اور اخلاق شیطانیہ (مثلاً کبر، غرور، حسد اور کینہ وغیرہ جو آفات بدنی اور قلبی ہیں) سے پاک نہ ہو جائے۔ جب ان اخلاقِ ذمیمہ سے وجود پاک ہو جاتا ہے تو وہ اصلی گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے اور انسان صاف ستھروں اور توبہ کرنے والوں میں ہو جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "بیشک اللہ تعالیٰ بہت توبہ کرنیوالوں اور ستھروں کو دوست رکھتا ہے"۔ جو صرف ظاہری گناہ سے توبہ کرتا ہے تو وہ ظاہراً توبہ کرنے سے) اس آیۂ کریمہ کے تحت نہیں آتا ہے اگرچہ وہ تائب ہے لیکن توّاب (بے حد توبہ کرنیوالا) نہیں۔ لفظ توّاب مُبالغہ کا صیغہ ہے اس سے خواص کی توبہ مُراد ہے۔ پس وہ اپنے مقصود کو پالیتا ہے جو شخص محض ظاہری گناہ سے توبہ کرتا ہے اُس کی مِثال اس آدمی کی طرح ہے جو

اپنے کھیت سے گھاس وغیرہ کی شاخیں اوپر اوپر سے کاٹ دیتا ہے ان کو جڑ سے نہیں اکھیڑتا تو لازماً وہ گھاس پہلے کی نسبت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور توّاب یعنی تمام گناہوں اور بُرے اخلاق سے سچی اور پکی توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جو اس گھاس پھوس کو جڑ سے نکال دیتا ہے تو اس کے بعد وہ شاذونادر ہی اگتی ہے۔ اس کے (یعنی خالص توبہ کے) بعد تلقین۔ (تعلیم مُرشد) ایک آلہ کا کام دیتی ہے جو متلقن (تلقین پانے والے یعنی مُرید) کے دل سے اللہ کے سوا ہر چیز کو قطع کر دیتی ہے۔ کیونکہ جس نے کڑوے درخت کو نہ کاٹا وہ اسکی جگہ شیریں شجر کو نہ پا سکا۔ اے نگاہ والو! اس سے سبق حاصل کرو تاکہ تم فلاح پاؤ اور منزلِ مقصود تک پہنچ جاؤ۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور گناہوں سے درگذر فرماتا ہے"۔ نیز فرمایا" اور جو توبہ کرے اور ایمان لائے اور اچھے کام کرے ایسے لوگوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائی سے بدل دیتا ہے"۔ توبہ دو قسم کی ہے (۱) توبہ عام (۲) توبہ خاص۔

(۱) **توبہ عام**:۔ انسان ذکرِ الٰہی اور انتہائی جدوجہد (مجاہدہ) اور سعیٔ عظیم کرکے معصیت سے فرمانبرداری اور برائی سے نیکی اور جہنم سے جنت کی طرف رجوع کرے اور بدنی راحتیں ترک کرکے مشقتِ نفس اختیار کرے۔

(۲) **توبۂ خاص**:۔ یہ ہے کہ توبۂ عام حاصل ہو جانے کے بعد حسناتِ ابرار (پرہیزگاروں کی نیکیوں) سے معارفِ الٰہی (اللہ تعالیٰ کی معرفت) درجات (یعنی مقاماتِ جنت) سے مقامِ قرب (الٰہی) اور لذاتِ جسمانی سے لذاتِ روحانی کی طرف رجوع کرے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کو ترک کرے۔ اس کے ساتھ محبت کا سلسلہ وابستہ کرے اور اس کی ذاتِ پاک کو بنظرِ یقین

دیکھے اور جن اُمور کا اوپر ذکر ہوا یہ اکتسابات وجود سے ہیں (یعنی وجود ذریعہ عمل ہے اور عمل سے یہ باتیں حاصل ہو جاتی ہیں لیکن ترک ماسوی اللہ میں وجود کی نفی بھی لازمی ہے) اس لیئے اکتساب وجود بھی اس راہ میں گناہ ہے جیسا کہ (اہل طریقت کو سمجھانے کی غرض سے) حضور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارک کو مخاطب کر کے فرمایا گیا "آپ کا وجود یا وجود ایک ایسا گناہ (حجاب) ہے کہ جس پر دوسرے گناہ کا قیاس نہیں کیا جا سکتا"۔ چنانچہ اکابرین رحمہم اللہ اجمعین کا قول ہے "پرہیز گاروں کی نیکیاں مقربین کے نزدیک (اُن کے مراتب کے لحاظ سے) برائیاں ہیں" اسی واسطے حضور سید الانبیاء حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ تعالیٰ کی جناب میں روزانہ ستّر بار استغفار کیا کرتے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے "حبیب اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے گناہ (یعنی حجاب وجودی کی آلائش) کے لیئے معافی طلب فرمایئے"۔ اور یہی توبۂ خاص (یعنی حقیقی رجوع الی اللہ) ہے۔ کیونکہ توبۂ خاص سے مُراد اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے منہ پھیر لینا آخرت میں مقامِ قرب یعنی سلامتی کے مقام میں داخل ہونا اور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس کا مشاہدہ کرنا ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے۔ " اللہ تعالیٰ کے ایسے (خاص) بندے ہیں جن کے وجود دُنیا میں اور ان کے دل عرش کے نیچے ہیں"۔ کیونکہ دنیا میں دیدارِ جمال الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہاں جلوۂ صفاتِ الٰہی دِل کے آیئنہ میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ حضرت سیّدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے فرمایا "میرے دل نے میرے پروردگار کو بالواسطہ نورِ الٰہی دیکھا"۔ لہٰذا دل اللہ تعالیٰ کے جمال کا عکس دیکھنے کے لیئے بمنزلہ آیئنہ ہے۔ یہ مشاہدہ ایسے واصل (الی اللہ) اور مقبول (بارگاہ) مُرشد کامل کی تلقین کے

بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ جو سابقین (یعنی سبقت حاصل کرنیوالوں سے) ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے بامر الہیٰ ناقصوں کی تکمیل کیلئے بھیجا گیا ہو۔ نبی اور ولی میں فرق کرنے کے لیئے اولیاء کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم خاصونکی (رہنمائی) کیلئے بھیجے جاتے ہیں۔ نہ کہ عوام کی رہبری کیلئے نبی عام و خاص کی ہدایت کیلئے مبعوث کیا جاتا ہے اور وہ مستقل بالذات ہوتا ہے۔ (یعنی کسی کا تابع نہیں ہوتا) اور ولی مرشد صرف خواص کی رہنمائی کیلئے بھیجا جاتا ہے اور وہ مستقل بالذات نہیں ہوتا کیونکہ اس کے لیئے اپنے نبی علیہ السلام کی اتباع لازمی ہوتی ہے۔ اگر وہ مستقل بالذات ہونے کا دعویٰ کرے تو کافر ہو جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تشبیہ فرمائی ہے "کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کے مانند ہیں" اس کا مفہوم یہ ہے کہ انبیاء بنی اسرائیل یکے بعد دیگرے ایک ہی نبی مرسل یعنی حضرت سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کی اتباع کرتے چلے آئے اور بغیر کسی دوسری شریعت کی طرف رجوع کرنے کے اسی شریعت کے احکام کی تجدید اور تاکید کرتے رہے اسی طرح اس اُمّت کے علماء یعنی اولیاء کرام خواص کی رہنمائی کیلئے بھیجے جاتے ہیں تاکہ اوامر و نواہی کی تجدید کریں (احکام الہیٰ کی یاد تازہ کریں) استحکام عمل (صحیح اور پختہ عمل) کیلئے انتہائی تاکید کریں اور تصفیہ اصل الشریعت یعنی قلب میں مقام معرفت (مقام الہیٰ) کو آلائشوں سے پاک صاف کریں۔ یہ علماء یعنی اولیاء حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے آگاہ کرتے ہیں۔ مثلاً اصحاب صفہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اظہار فرمانے سے قبل سب معراج شریف کے رازوں کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔ پس ولی حامل (اٹھانے والا بار امانت) ولایت جناب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے جو کہ آپ کی نبوت اور باطن کا

جزو ہے۔ وہ اس کے پاس بطور امانت ہوتی ہے۔ ان علماء سے مراد ہر وہ عالم نہیں جس نے ظاہری علم حاصل کیا ہو کیونکہ وہ اگر بمصداق اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ (علماء انبیاء کے وارث ہیں) ورثاء نبوی میں داخل ہو بھی تو اس کا رشتہ ذوی الارحام کی طرح ہے (یعنی اس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک سے بہت دور کی نسبت ہے۔ ذوی الارحام سے وہ بھائی اور بہنیں مراد ہیں جو ایک ماں اور مختلف باپوں سے پیدا ہوئے ہوں۔ ایسی اولاد پورے طور پر وراثت کی حقدار نہیں ہو سکتی) پس وارثِ کامل وہی ہو سکتا ہے جو بمنزلہ فرزند حقیقی ہو کیونکہ اس کا رشتہ اپنے والد کے ساتھ اس کے تمام رشتے داروں کی نسبت زیادہ قریبی ہوتا ہے۔ (عصبات سے مراد باپ کی جانب سے رشتے دار ہیں) پس بیٹا ظاہر و باطن میں باپ کی خوبیوں اور اسرار کا وارث ہوتا ہے۔ اسی واسطے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے "کچھ علم پوشیدہ ہے جس کو سوائے علمائے ربانی کے کوئی نہیں جانتا۔ جب وہ اس کے ساتھ کلام کرتے ہیں تو اہلِ عزت (مومنین) اس کا انکار نہیں کرتے اور یہ سِر (رازوں کا راز) ہے جو تیس ہزار پردہ ہائے راز کے سب سے اندرونی حصہ کے اندر ہے۔ (یعنی انتہائی مخفی) معراج شریف کی رات حضور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کے اندر ودیعت رکھا گیا اور اس راز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے اصحاب مقربین اور اصحابِ صفہ کے کسی پر ظاہر نہ فرمایا۔ اس سِر کی برکت سے قیامت تک شریعت قائم ہے۔ پس باطنی علم کے ذریعہ ہی اس راز تک پہنچ سکتے ہیں۔ باقی جملہ علوم و معارف اس راز کیلئے بمنزلہ چھال یا چھلکا کے ہیں (یعنی یہ سِر ان کے اندر مغز یا گودا کی مانند ہے) اور جو ظاہری

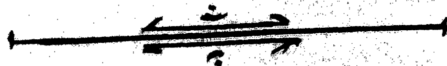
علماء ہیں (یعنی جنہوں نے صرف علم ظاہر حاصل کیا اور باطنی علم سے بے بہرہ ہیں وہ بھی (کسی حد تک) وارثانِ انبیاء علیہم السلام میں شامل ہیں۔ بعض ان میں بمنزلۂ صاحب الفروض ہیں (یعنی اللہ تعالیٰ کے قوانین، فرائض واحکام جاننے والے ہیں) اور بعض بمنزلہ ذوی الارحام ہیں (یعنی انھیں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بہت دور کی نسبت ہے اور اس نسبت کے لحاظ سے انھیں کچھ ورثہ ملا ہے) اِن علماء کو سطحی یعنی ظاہری علوم عطا کئے گئے ہیں تاکہ لوگوں کو اچھی نصیحت سے اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں۔ اور وہ بلند مرتبہ مشائخین جن کا سلسلہ طریقت حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہ کے ساتھ وابستہ ہے انھیں دروازہ علم پر قرارگاہِ علم (صدر مقام یا منبع علم) تک رسائی ہے اور وہ لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف پکی تدبیر سے دعوت دیتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "حبیب اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خلق کو اپنے رب کی راہ کی طرف پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے بلائیے" یعنی دین اسلام کی دعوت دیجئے اور ان سے اس طریقہ پر بحث کیجئے جو سب سے بہتر ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی آیات اور دلائل سے بلائیں۔ علماء ظاہر اور شیخ اہلِ باطن کا قول بنیادی اصول کے لحاظ سے ایک ہی ہے (یعنی دونوں کا مقصد دعوت اِلی اللہ ہے۔ خلق کو اللہ تعالیٰ کی راہ کی طرف بلانا) اور فروعات میں مختلف ہیں۔ آیۂ مذکورہ میں جو تینوں معانی یا اصول پائے جاتے ہیں (یعنی حکمت، موعظہ حسنہ اور مجادلہ (باحسن طریقہ) وہ سب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس میں موجود تھے۔ انکی ذات گرامی کے بعد کسی شخص میں یہ طاقت نہیں کہ انکا متحمل ہو سکے۔ آپ نے ان کو تین قسموں میں منقسم فرمایا ہے۔

قسمِ اوّل :- علم الحال ہے وہ ان تینوں کا مغز یا لبِ لباب ہے اور ان مردانِ راہِ خُدا کو عطا فرمایا ہے۔ جنکی ہمت اس کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے "مردانِ راہِ خدا کی ہمت پہاڑوں کو بنیاد سے اکھیڑ دیتی ہے اور پہاڑوں سے مراد فسادات قلبی (سنگدلی) ہے جو اللہ تعالیٰ کے بندوں کی دُعا اور ان کی گریہ وزاری سے مِٹ جاتی ہے"۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے "جس کو حکمت دی گئی بلاشبہ اس کو بڑی بھلائی دی گئی"۔

قسمِ دوّم :- اس مغز یا گودے (یعنی علم الحال) کی چھال یا چھلکا ہے۔ (یعنی ظاہری علم ہے) جو علمائے ظاہری کو ملا ہے۔ اس سے مقصود خلق کو اچھی پند ونصیحت کرنا ان کو بھلائی کا حکم دینا اور تمام بُرائیوں سے منع کرنا ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "عالم علم وادب کیساتھ نصیحت کرتا ہے اور جاہل مار پیٹ اور غیظ وغضب کے ساتھ"۔

قسمِ سوّم :- وہ بمنزلہ قشر القشر (یعنی چھال کے اوپر ایک اور چھلکا کی مانند) ہے۔ یہ اولی الامر (حکومت والوں) کے حصّہ میں آیا ہے۔ اس سے مُراد اُن کا عدل ظاہری اور سیاست ہے جس کی طرف اس آیۂ کریمہ وجادلھم بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَن میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ لوگ اکثر اوقات اپنے اقتدار حکومت اور غلبہ کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں اور دینی نظام وامور کی حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ ان کی مثال اخروٹ کے سبز (یعنی کچے) چھلکے کی ہے۔ اور علمائے ظاہر سُرخ (یعنی پختہ) چھلکا کی مانند ہیں۔ اور باطنی علماء کی مثال اس مغز یا گودے کی طرح ہے جو اس سُرخ (پختہ) چھلکے کے اندر ہے۔ اسی واسطے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "علماء کی صحبت میں بیٹھنا اور حکماء کے کلام کو

کان لگا کر (یعنی نہایت توجہ سے) سُننا تم پر لازمی ہے" کیونکہ اللہ تعالیٰ جس طرح بارش کے پانی سے مردہ زمین کو زندگی بخشتا ہے (یعنی اس سے اناج نکالتا ہے) اسی طرح نُورِ حکمت سے دِل کو زندہ کرتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "دانا کسی گم شدہ چیز کے متلاشی کی طرح کلمہ حکمت کی تلاش میں پھرتا ہے اور جہاں بھی اس کو پاتا ہے لے لیتا ہے"۔ وہ کلمہ جو عوام کی زبان پر ہے لوحِ محفوظ یعنی عالمِ جبروت سے نازل ہوا ہے جو درجات سے ہے۔ اور وہ کلمہ جو واصلین پڑھتے ہیں۔ بزبانِ قدسی صفات کسی واسطے کے بغیر لوحِ اکبر سے نازِل ہوا ہے جو عالمِ قرب (یعنی عالم الٰہی) میں ہے۔ پس ہر چیز اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے، اسی لئے اہلِ تلقین کی تلاش حیاتِ قلب کے لئے فرض ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "علم کی تلاش اور تحصیل ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے" اور اس سے مراد علم معرفت اور قربِ الٰہی ہے اس مقصد کیلئے سوائے اس علم کے جو ادائیگی فرائض کیلئے ضروری ہے۔ مثلاً علم فقہ، مسائل عبادات کے متعلق) باقی علوم ظاہری کی حاجت نہیں ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اسی میں ہے کہ اس کے بندے مقامِ قرب کی طرف بڑھیں اور درجات کی طرف توجہ نہ کریں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "حبیب پاک! فرما دیجئے میں (ہدایت اور ارشاد پر) تم سے اُجرت نہیں چاہتا مگر قرابت کی محبت" ایک قول کے مُطابق اس سے مراد علم قربت ہے۔



چھٹی فصل

تصوّف کے بیان میں

صوفیائے کرام کا اہلِ تصوّف کے نام سے موسوم ہونا ان وجوہات سے ہے (۱) نورِ معرفت اور توحید کے ذریعہ اپنے باطن کو جملہ آلائشوں سے پاک وصاف کرنے کی وجہ سے یا (۲) اس لئے کہ اصحاب صفہ کی طرف منسوب ہیں اصحابِ صفہ صحابۂ اکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ایک جماعت تھی جو ہمیشہ مسجد میں رہ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے) یا (۳) صوف کے پہننے کے لحاظ سے (کیونکہ سلسلہ تصوف میں) مبتدی (جو تصوف کے ابتدائی مرحلہ میں ہو) بکری کا کھردرا صوف پہنے۔ متوسط، بکری کا صوف جو نہ زیادہ نرم ہو نہ سخت اور منتہی وہ نرم اُون کا لباس پہنے یعنی صوفِ مرقع (صوف کا لباس جس میں پیوند لگے ہوں) اور اسی طرح باطن میں بھی ان کے حالات مراتب کے حسبِ حال ہیں اور ان کا کھانا پینا بھی ان کے حالات اور ان کے مراتب کے مطابق ہے۔ صاحبِ تفسیر مجمع نے لکھا ہے "اہلِ زہد کو چاہیئے کہ وہ کھردرا لباس پہنیں اور موٹا جھوٹا کھائیں اور پیئیں اور اہلِ معرفت عمدہ لباس پہنیں اور نفیس کھانا کھائیں" لوگوں کا اپنی منازل میں اپنے حسبِ حال رہنا سہنا سنّتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مطابق ہے تاکہ کوئی اپنی حد سے تجاوز نہ کرے۔ کیونکہ وہ (یعنی اہلِ معرفت) بارگاہِ ایزدی میں اعلیٰ مراتب والوں میں سے ہے۔ لفظ "تصوف" چار حروف پر مشتمل ہے۔ ت۔ ص۔ و۔ ف۔

"ت" سے مراد توبہ ہے اور وہ دو طرح کی ہے۔ توبہ ظاہری توبہ باطنی۔

توبہ ظاہری یہ ہے کہ انسان قولاً و فعلاً اپنے تمام اعضاء ظاہری کو گناہوں اور برائیوں سے ہٹا کر اطاعت کے کام اختیار کرے۔ نیز شریعت کے مخالف افعال سے توبہ کر کے اس کے احکام کے مطابق عمل کرے۔ توبہ باطنی یہ ہے کہ انسان دل کو آلائشوں سے پاک کر کے شریعت کے موافق اعمال صالحہ کی طرف رجوع کرے۔ پھر جب برائی نیکی سے بدل جائے تو ت کا مقام مکمل ہو گیا (یعنی اس کو کامل توبہ نصیب ہو گئی)

"ص" کا مطلب صفائی ہے اس کی بھی ۲ دو قسمیں ہیں (۱) قلب کی صفائی (۲) مقام سِر کی صفائی۔ قلب کی صفائی یہ ہے کہ دِل ان بشری کدورتوں اور آلائشوں سے پاک ہو جائے جو عموماً دِل کے اندر پائی جاتی ہیں۔ مثلاً بکثرت کھانے پینے سونے اور گفتگو کرنے کی خواہشات۔ دنیوی رغبتیں مثلاً کسب (کمائی) اور کثرت جماع اور اپنے اہل و عیال کی حد سے زیادہ محبت وغیرہ وغیرہ۔ ان مذکورہ عادات ذمیمہ سے دِل کو پاک و صاف کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ابتداء میں شیخ کامل کی تلقین سے ذکر الٰہی بالجہر اور بالالتزام کیا جائے (یعنی بلند آواز سے ہمیشہ ذکر الٰہی کرتا رہے) حتیٰ کہ مقام ذکر خفی ہو جائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "ایمان والے وہی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جائیں"۔ یعنی اُن کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت چھا جائے اور عظمت الٰہی کا خوف دِل میں اس وقت پیدا ہوتا ہے۔ جب قلب غفلت کی نیند سے بیدار ہو جائے اور آئینہ دِل صیقل ہونے کے بعد اس قدر شفاف ہو جائے کہ اس میں خیر و شر ایک غیبی صورت میں منقش ہو جائے (یعنی نیکی اور بدی کا نقشہ صاف صاف نظر آنے لگے) چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا ارشاد ہے

"عالم نقش و نگار کرتا ہے اور عارف صیقل کرتا ہے" (یعنی عالم خیر و شر کی خوبیاں اور نقائص کا نقشہ کھینچ کر عمل کی تلقین کرتا ہے اور عارف دلوں کے زنگ اُتارتا ہے)

مقام سِرّ کی صفائی اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے روگردانی کرنے اور اس کی محبت اور اسماءِ توحید کا زبانِ سِرّ (باطنی زبان) سے دائمی ذکر کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ پس جب انسان اس صفت کا مالک ہو جاتا ہے تو مقام ص مکمل ہو جاتا ہے۔

"و" سے مراد ولایت ہے۔ یہ ایک مرتبہ ہے جو تصفیہ (صفائی قلب) کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "خبردار! بیشک اللہ تعالیٰ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم۔ ان کیلئے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں خوشخبری ہے۔

ولایت کا ماحصل یہ ہے کہ انسان اپنے اندر اخلاق الٰہیہ پیدا کرے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے "اپنے اندر خدائی اخلاق پیدا کرو" اور جامۂ صفاتِ بشریت اُتار کر صفاتِ الٰہی کا لباس پہنے۔ حدیثِ قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "جب میں کسی بندے کو دوست رکھتا ہوں تو میں اس کے کان، آنکھ، زبان، ہاتھ اور پاؤں بن جاتا ہوں، پھر وہ میرے ہی واسطہ سے سنتا، دیکھتا، کلام کرتا، پکڑتا اور چلتا ہے"۔ ماسوی اللہ سے اپنے باطن کو پاک وصاف کرو۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اے حبیب پاک! فرما دیجئے حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ بیشک باطل کو مٹنا ہی تھا"۔ پس مقام "و" حاصل ہو گیا۔

"ف" سے مراد فنا فی اللہ ہے۔ جب صفاتِ بشری فنا ہو جاتی ہیں تو

صفاتِ باری تعالیٰ باقی رہ جاتی ہیں۔ چونکہ اس ذاتِ پاک کو نہ فنا ہے اور نہ ہی زوال۔ لہٰذا عبدِ فانی کو اس غیر فانی ذات کے ساتھ اور اسکی پسندیدگی اور قبولیت سے باقی باللہ کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور قلب فانی کو سرِ باقی کے ساتھ بقا حاصل ہو جاتی ہے۔ جس کی مثال جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" اسکی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے"۔ لہٰذا اس کی ذات اور خوشنودی کیلئے اعمال صالحہ کی کوفت برداشت کر کے جب بندہ اللہ تعالیٰ کی رضا پا لیتا ہے تو اس برگزیدہ و پسندیدہ بندے کو راضی ہونے والی ذات (یعنی اللہ تعالیٰ) کے ساتھ بقا حاصل ہو جاتی ہے۔ اور اعمالِ صالحہ کا ماحصل یہ ہے کہ وہ انسان حقیقی (جو اس کے باطن کے اندر ہے) جسے طفل المعانی کہتے ہیں زندہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے" اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور جو نیک کام ہے وہ اسے بلند کرتا ہے"۔ (یعنی اعمال نیک عمل کرنے والا کا مرتبہ بلند کرتے ہیں)۔ ہر وہ عمل جس میں شرکتِ غیر اللہ ہو عامل کی ہلاکت کا باعث ہے۔ مکمل فنا کے بعد عالم قرب میں بقا حاصل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" سچ کی مجلس میں عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور یعنی اسکی بارگاہ کے مقرب میں"۔ اور یہ مقام عالم لاہوت میں انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام کیلئے مخصوص ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے" اللہ تعالیٰ صادقوں کے ساتھ ہے"۔ پس حادث جب قدیم سے ملتا ہے تو اس کا وجود باقی نہیں رہتا جب فقر مکمل ہو جاتا ہے تو صوفی کو ہمیشہ کیلئے بقا مع الحق (یعنی بقا باللہ) کا مقام حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" اللہ تعالیٰ صابروں کے ساتھ ہے"۔

ساتویں فصل

اذکار کے بیان میں

بے شک اللہ تعالیٰ نے اہلِ ذکر کو ہدایت فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور اس کا ذکر کرو جیسے اُس نے تمہیں (یعنی تمہارے مراتب ذکر کی طرف) ہدایت فرمائی"۔ حضور سید الانبیاء حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میرے اور مجھ سے پہلے انبیاء کے ارشادات میں سے سب سے افضل کلمہ توحید لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی تلقین ہے ہر مقام کیلئے ایک خاص مرتبہ ہے خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی" سب سے پہلے ذاکرین کو زبانی ذکر (ذکر جہر) پھر یکے بعد دیگرے ذکر نفس، ذکر قلبی، رُوحی، سِرّی، خفی اور اخفی الخفی کی تلقین فرمائی۔ ذکر اللسان یہ ہے کہ دل بالواسطہ زبان اِس ذکر الٰہی کی یاد تازہ کرتا ہے۔ جس کو وہ بھول چکا ہے۔ ذکر النفس اس ذکر کو کہتے ہیں جس کا سُننا بذریعہ حروف اور آواز نہ ہو بلکہ وہ پوشیدہ طور پر حس و حرکت کے ذریعہ سنا جائے۔ ذکر قلبی دل کا اپنے اندر جلال و جمالِ الٰہی کا ملاحظہ کرنا ہے۔ ذکر رُوحی کا ماحصل اللہ تعالیٰ کی تجلیات صفائی کے انوار کا مشاہدہ کرنا ہے۔ ذکرِ سِرّی مکاشفات اسرارِ الٰہیہ کی نگہداشت کرنا ہے۔ ذکر خفی سے مراد عظیم قدرت والے بادشاہ کے حضور سچ کی مجلس میں انوار ذات الٰہی (جل شانہ) کا دل کی آنکھ سے دیکھنا ہے۔ ذکر اخفی الخفی کے معنی یقینی حق کی حقیقت کو اس طرح دیکھنا ہے کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی دوسرا اس پر

مطلع نہ ہو (یعنی اس ذات حقیقی کی حقیقت کو دل کی آنکھ سے انتہائی یقین سے دیکھے کہ اس پر ذات حق کے سوا کوئی آگاہ نہ ہو)۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اللہ تعالیٰ بھید کو جانتا ہے اور اسے جو اس سے بھی زیادہ پوشیدہ ہے" اور یہ (ذکر اخفی الخفی) جملہ علوم کی غایت اور تمام مقصد کی انتہا جان لو اگر تم روحانی مدارج طے کر کے آخری روح تک ترقی کر لو جو تمام روحوں سے لطیف ہے تو وہی طفل المعانی (انسانِ حقیقی) ہے جو کہ نہایت لطیف (پاکیزہ) اور مختلف اطوار (طریقوں) سے اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف بلانے والا ہے۔ بعض اکابرِ دین کا قول ہے یہ روح خاص بندوں کیلئے مخصوص ہے اِن کے سوا کسی دوسرے کے لیئے نہیں ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اللہ تعالیٰ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے روح (یعنی وحی) ڈالتا ہے"۔ یہ روح عالم حق تعالیٰ (یعنی عالمِ لاہوت) کے اندر ہمیشہ محوِ نظارۂ قدرت اور مشاہدۂ قدرت اور مشاہدۂ حق میں مشغول رہتی ہے، سوائے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات کے کسی طرف ملتفت نہیں ہوتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "دنیا اہلِ آخرت اور آخرت اہلِ دنیا پر حرام ہے، اور اہل اللہ پر دونوں حرام ہیں"۔ اس سے مراد طفل المعانی ہے اور بارگاہِ الٰہی میں رسائی حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ انسان احکامِ شریعت کی اتباع کرنے کے لیئے صحیح راستہ پر ہے۔ اپنے وجود کی دن رات نگہداشت کرتا رہے اور ہمیشہ سِراً وجہراً پوشیدہ و بلند آواز ذکرِ الٰہی میں مشغول رہے۔ کیونکہ طالبانِ حق کیلئے ہمیشہ یادِ الٰہی میں رہنا فرض کر دیا گیا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ "اللہ تعالیٰ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے" نیز فرمایا "وہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بیٹھے

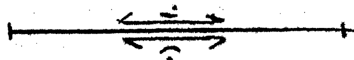
اور کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں"۔

آٹھویں فصل
شرائطِ ذکر کے بیان میں

یہ کہ ذاکر پورے طور پر باوضو ہو۔ ضرب شدید اور قوی آواز کیساتھ ذکر کا سلسلہ جاری رکھے۔ حتیٰ کہ اسے وہ انوارِ ذکر حاصل ہو جائیں جو اہلِ ذکر کے اندر پیدا ہوتے ہیں ان انوار کے باعث اِن کے دِلوں کو حیاتِ ابدی و اُخروی نصیب ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "اس میں (یعنی جنّت میں) پہلی موت کے سوا پھر موت نہ چکھیں گے" اور جیسے ارشاد حضور رسالتمآب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے "مومنین مرتے نہیں بلکہ دارِ فنا سے دار بقا میں چلے جاتے ہیں" نیز فرمایا "انبیاء اور اولیاء اپنی قبروں میں ایسے ہی نمازیں پڑھتے ہیں۔ جیسے اپنے گھروں میں" یعنی اپنے رب کی مناجات کرتے ہیں۔ اس سے مراد ظاہری نمازیں نہیں جو قیام قعود رکوع اور سجود کے ساتھ ادا کی جاتی ہیں بلکہ اس سے مقصود محض مناجات ہے جو بندوں کی طرف سے ہے اور ہدیۂ معرفت جو اللہ عزوجل کی جانب سے ہے۔ پس عارف دلِ زندہ سے بکثرت مناجات کرنے سے محرمِ اسرارِ الٰہی ہو جاتا ہے۔ پھر اسے موت نہیں۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد عالی ہے۔ "میری آنکھ سوتی ہے اور دل ہمیشہ بیدار

رہتا ہے۔ ایک دوسری حدیث شریف میں فرمایا" جو شخص علم معرفت کی طلب میں فوت ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کی قبر میں دو فرشتے بھیجتا ہے جو قیامت تک اسکو علم معرفت سکھاتے رہیں گے اور بروزِ قیامت اپنی قبر سے ایک عالم اور عارف بن کر اٹھے گا"۔ دو فرشتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت اور اللہ تعالیٰ کے ولی رحمہ اللہ تعالیٰ کی روحانیت مراد ہے کیونکہ فرشتہ عالم معرفت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ حضور نبی کریم علیہ الصلا والتسلیم نے فرمایا" کتنے ہی لوگ ہیں جو جاہل فوت ہوئے اور قیامت کے روز بحیثیت عالم اور عارف اٹھیں گے اور کتنے ہی اشخاص جو مر گئے درحالانکہ وہ عالم تھے وہ بروز حشر جاہل یا فاسق اور مفلس اٹھیں گے"۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے" تم اپنے حصے کی پاک چیزیں اپنی دنیا ہی کی زندگی میں فنا کر چکے اور انھیں استعمال کر چکے تو آج تمہیں عذاب' رسوائی بدلا دیا جائیگا"۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے" اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے"۔ نیک آدمی کی نیت اس کے عمل کی نسبت بہتر ہوتی ہے اور فاسق کی نیت اس کے عمل سے بدتر ہوتی ہے۔ کیونکہ نیت عمل کی بنیاد ہے۔ حضور علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے" صحیح بنیاد صحیح پر صحیح ہوتی ہے اور فاسد بنیاد فاسد پر فاسد ہوتی ہے"۔ (نیت جو بنیاد عمل ہے جب صحیح ہوتی ہے تو اس پر عمل بھی صحیح ہوتا ہے اور جب نیت میں فساد واقع ہوتا ہے تو عمل بھی فاسد ہوتا ہے)۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" جو شخص آخرت کی کھیتی چاہے ہم اس کی کھیتی اس کے لیے بڑھائیں (یعنی آخرت میں اس کو نیک اعمال کا زیادہ اجر دیں) اور جو دُنیا کی کھیتی چاہتا ہے اس میں سے ہم اسے کچھ دیتے ہیں (یعنی دُنیا میں جتنا اس کیلئے مقدر کیا ہے) ا

آخرت میں اس کا کچھ حصّہ نہیں" انسان کے لیئے اشد ضروری ہے کہ دُنیا میں فوت ہونے سے پہلے کسی کامل مُرشد کی تلقین سے حیات قلبی اخروی (آخرت میں کام آنے والی) حاصل کرے۔ کیونکہ دُنیا آخرت کی کھیتی ہے جب اس میں کچھ بویا ہی نہیں تو آخرت میں کیا کاٹ سکتا ہے (جب دُنیا میں کوئی عمل ہی نہیں کیا تو عقبیٰ میں کیا اجر پاسکتا ہے) کھیتی سے عالم ملک میں نفسانی وجود کی زمین مُراد ہے۔



نویں فصل

دیدارِ الہٰی کے بیان میں

اللہ تعالیٰ کا دیدار دو طریقے پر ہے (۱) آخرت میں بلاواسطہ آئینہ (قلب) اللہ تعالیٰ کے جمال کا دیدار اور (۲) صفاتِ حق کی دید دُنیا میں بالواسطہ آئینۂ قلب انوارِ جمالِ باری تعالیٰ کا عکس بچشمِ دِل مشاہدہ کرنا۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے" دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا" (یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ منوّر نے اس کی تصدیق کی جو چشمِ مُبارک نے دیکھا۔ معنی یہ ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو آنکھ سے دیکھا اور دل سے پہچانا) چنانچہ حضور علیہ الصلواۃ والسلام کا ارشاد عالی ہے" مومن آئینۂ مومن ہے" پہلے لفظِ مومن سے مُراد بندہ مومن کا دِل ہے اور دوسرے سے ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ پس جس نے دنیا میں اس کی صفات کو دیکھا وہ آخرت میں اس کی ذات کو بلاکیف دیکھے گا اور اولیاء کرام نے دیدار جمال یا مشاہدہ صفات کے بارے میں

اس قسم کے دعوے فرمائے ہیں مثلاً حضرت سیّدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا قول مُبارک ہے "میرے دل نے میرے پروردگار کو میرے رب کے نور کے واسطے سے دیکھا"۔ نیز حضرت سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ کا ارشادِ پاک ہے۔ "میں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کی درحالانکہ میں نے اس کو نہ دیکھا"۔ (یعنی اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے دیکھ کر اس کی عبادت کی ہے) یہ سارا مشاہدہ صفاتِ حق تعالیٰ ہے جیسے کوئی شخص طاق یا دریچہ وغیرہ سے سُورج کی شعاع کو دیکھ کر وسعت کے لحاظ سے کہہ سکتا ہے کہ "میں نے سُورج کو دیکھا ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے کلام مجید میں اپنی صفات کے اعتبار سے اپنے نور کی مثال یوں بیان فرمائی ہے "اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے۔ وہ چراغ ایک فانوس میں ہے۔ وہ فانوس گویا ایک موتی کے مانند چمکتا ستارہ ہے، روشن ہوتا ہے بابرکت زیتون کے درخت سے"۔ اکابر نے فرمایا ہے کہ مشکواۃ (طاق) سے مُراد مومن کا دل ہے اور مصباح (چراغ) دل کے اندر جوہر (امانت) ہے یعنی روحِ سُلطانی اور زجاجہ (فانوس) سے مراد فواد (یعنی باطنی دل) ہے۔ جس کو اس کی انتہائی نورانیت، چمک دمک کے باعث چمکدار موتی سے تشبیہہ دی ہے۔ پھر اس نور کی کان کا ذکر فرمایا (یعنی اس کا منبع کہاں ہے معدن یا کان اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں سے سونا چاندی اور دیگر معدنیات نکالی جاتی ہیں) فرمایا یہ نور زیتون کے مُبارک درخت سے روشن ہوتا ہے جس سے مراد شجرِ تلقین اور خالص توحید ہے جس کا منبع بلاواسطہ غیرے قدسی صفات زبان ہے جیسا کہ حضور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے قرآن پاک کو درحقیقت ذاتِ باری تعالیٰ سے حاصل کیا اور سمجھا۔ بعدہٗ مصلحتِ عامہ اور کفار و منافقین کے انکار پر حجت قائم کرنے کی غرض سے سیدنا جبرائیل علیہ السلام

نازل ہوئے اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا اپنا قول ہے "بے شک آپ حکمت والے، علم والے کی طرف سے قرآن سکھائے جاتے ہیں"۔ اسی واسطے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جلدی کرتے تھے اور پیغام وحی میں سیّدنا جبرئیل علیہ السلام سے سبقت لیجاتے تھے (یعنی جب سیّدنا جبرئیل علیہ السلام قرآن کریم لے کر نازل ہوتے تھے تو حضور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پڑھنے سے پہلے ہی آیات پڑھ دیتے تھے) حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی "حبیب پاک قرآن میں جلدی نہ کیجئے جب تک اس کی وحی پوری نہ ہوے"۔ یہی وجہ تھی کہ سیّدنا جبرائیل علیہ السلام شب معراج شریف پیچھے رہ گئے اور مقام سدرۃ المنتہیٰ سے آگے نہ بڑھ سکے۔ پھر اللہ تعالےٰ نے کلام پاک میں اس درخت (شجر تلقین و توحید) کا وصف بیان فرمایا۔

"وہ نہ شرقی ہے نہ غربی"۔ (یعنی نہ پورب کا نہ پچھم کا) حدود و عدم (یعنی فنا) اور طلوع و غروب سے مبرا ہے بلکہ ازلی اور غیر فانی ہے۔ جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ قدیم ازلی ابدی اور غیر فانی ہے۔ اسی طرح اس کی صفات بھی ہیں کیونکہ انوار اور تجلیات اور صفات اسکی ذات کے ساتھ قائم ہیں۔ جب تک آئینہ دل سے حجاب دور نہ ہوجائے اس کی معرفت حاصل نہیں ہوسکتی۔

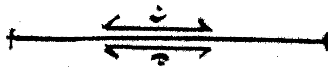
(حجاب رفع ہونے کے بعد) دل انوار الہٰی سے منور ہوجاتا ہے تو روح اس طاق (یعنی دل) سے اللہ تعالیٰ کی صفات کا مشاہدہ کرتا ہے نیز یہ راز کھل جاتا ہے کہ جہاں کو پیدا کرنے سے اس خزانۂ مخفی کا ظاہر کرنا مقصود ہے (جیسا کہ حدیث قدسی میں اس کا ذکر آیا ہے) "میں ایک مخفی خزانہ (انوار) تھا میں نے ارادہ کیا کہ میں جانا جاؤں پہچانا جاؤں تو میں نے خلقت کو پیدا کیا تاکہ وہ مجھے پہچانے" (یعنی دنیا میں میری صفات کی معرفت حاصل کریں) اور مشاہدۂ ذات حق تو

انشاءاللہ تعالیٰ بلاواسطہ آئینہ دِل بنظرِ سر (جسکو طفل المعانی کہتے ہیں) آخرت میں نصیب ہوگا۔

(نوٹ) یہ آنکھ باطن کے اندرونی حصّے میں ہے جہاں مقام سر ہے جیساکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے" کچھ چہرے اس دن ترو تازہ ہوں گے اپنے پروردگار کو دیکھنے سے" شاید اس سے مُراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ کا یہ قولِ مُبارک ہو" میں نے اپنے رب کو ایک نوجوان بے ریش کی صورت میں دیکھا" اس سے مراد طفلِ المعانی (انسان حقیقی) ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تجلّی اس صورت پر روحانی آئینہ میں مشاہدہ کی۔ کیونکہ وہ صورت ایک روحانی آئینہ ہے اور تجلّی اور متجلّی (اس کے لئے تجلّی فرمانے والی ذاتِ باری تعالیٰ) کے مابین ایک واسطہ ہے ورنہ اللہ تعالیٰ صورت، کھانے پینے اور وجودی خاصیّات واثرات سے پاک ہے۔ پس صورت ایک آئینہ ہے اور آئینہ اور دیکھنے والا غیرذاتِ باری ہے (مرئی = جو نظر آرہا ہے) پس اس بات کو اچھی طرح سمجھ تو وہ (یعنی مرئی جس کو دیکھ رہا ہے) بلاشبہ اس سر کا مغز یا خلاصہ ہے اور یہ (رائی، دیکھنے والا) عالم صفات میں ہے۔ چونکہ وہ عالم ذات میں ہے جہاں اسباب و وسائل جل کر مٹ جاتے ہیں۔ لہٰذا اس عالم میں غیراللہ کا نام ونشان نہیں، جیساکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" میں نے اپنے رب کو واسطے سے پہچانا" یعنی اپنے پروردگار کے نور کے واسطے سے اور انسانِ حقیقی اس نورِ پاک کا محرم ہے جیساکہ حدیث قدسی میں ارشاد ہے۔ "انسان میرا راز اور میں اس کا راز ہوں" اور جیساکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے "میں اللہ سے ہوں اور مومنین مجھ سے ہیں" جیساکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے" میں نے (حبیب پاک حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو

اپنے چہرے کے نور سے پیدا کیا"۔ اور چہرے سے مراد ذات مقدسہ باری تعالیٰ ہے جو ارحم الرحمین کی صفت میں جلوہ گر ہے (گویا اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ذاتی نور سے پیدا کیا اور اپنی خاص صفت رحمت عطا فرمائی) چنانچہ ارشادِ حق تعالیٰ ہے" بلاشبہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لیگئی" اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کی شان میں فرمایا" (حبیب پاک) ہم نے آپ کو، تمام جہانوں کے لیئے رحمت بنا کر بھیجا ہے)۔ نیز فرمایا" تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور کتاب مبین آئے" (نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی [illegible] انور ہے اور کتاب مبین سے قرآن مجید)۔ حدیث قدسی میں فرمایا" اگر آپ نہ ہوتے تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا"۔

ذات



دسویں فصل

پردے ہائے تاریکی و نورانی کے بیان میں

اس کی مثال جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" جو اس دنیا میں اندھا ہے (یعنی جس نے ایمان کی راہ یہاں نہیں پائی) پھر وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا اور زیادہ گمراہ ہوگا" اور اندھا سے مراد دل کا اندھا ہونا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے" یہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ وہ دل کے اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں ہے" اور دل کے اندھے ہونے کی وجہ حجاب غفلت ہے۔ اور جہالت کا سبب انسان پر ظلماتی صفات کا غلبہ ہے (یعنی ایسی صفات یا

برائیاں جن سے انسان کا دل سیاہ ہو جاتا ہے) مثلاً غرور، کینہ، حسد، بخل، تکبر، غیبت، چغلخوری اور جھوٹ وغیرہ اور انسان کا نچلی سے نچلی حالت کی طرف تنزل کا باعث بھی یہی صفات ہیں۔ ان بُری عادات و صفات سے رہائی پانے کا طریقہ یہی ہے کہ بذریعہ مصقل توحید (مصقل یعنی صیقل کرنے والے کا آلہ) علم و عمل، سخت مجاہدہ و ریاضت ظاہراً اور باطناً آئینہ دل کو صیقل کیا جائے۔ یعنی دل کا زنگار دور کیا جائے حتیٰ کہ دل نورِ توحید اور صفات (الٰہیہ) سے زندہ ہو جائے پھر ہر وقت وطن کی یاد میں رہے اور اس کی طرف رجوع کرے۔ وطن حقیقی کی محبت اور شوق دل میں پیدا کرے تو اللہ جل شانہ کی عنایت سے منزل مقصود پر پہنچ جائے گا۔ حجابِ ظلمانی اُٹھنے کے بعد نورانیت باقی رہ جاتی ہے اور بندہ روحانی بینائی حاصل ہونے سے صاحب بصیرت اور (اللہ تعالیٰ کے) اسماء صفاتی کے نور سے روشن دل ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ پردہ ہائے نورانی بتدریج اٹھ جاتے ہیں تو نور ذاتِ الٰہی سے منور ہو جاتا ہے۔

اور جان لے کہ دل کی دو آنکھیں ہیں۔ عین صغریٰ (چھوٹی آنکھ) اور عین کبریٰ (بڑی آنکھ) عین صغریٰ بالواسطہ نور اسمار صفاتی عالم درجات کے انتہائی مقام تک باری تعالیٰ کی صفاتِ تجلیات کا مشاہدہ کرتی ہے اور عین کبریٰ شان یکتائی کے نورِ توحید کے واسطے سے عالم لاہوت اور عالم قربِ الٰہی میں اللہ تعالیٰ کی ذاتی تجلیات کے انوار کا نظارہ کرتی ہے۔ انسان کو یہ مراتب موت اور وجود نفسانی کے فنا ہونے سے پہلے حاصل ہو سکتے ہیں اور بندے کو اس عالم میں رسائی بقدر انقطاع نفسانیت ہے (یعنی انسان کی نفسانیت جس قدر منقطع ہو جائے گی اسی کے مطابق اس کو عالم لاہوت میں

قربِ الٰہی حاصل ہو جائے گا) اور وصول الی اللہ (اللہ تعالیٰ تک رسائی) اس طرح نہیں جس طرح جسم اور مجسم (جسم دار) علم اور معلوم (جو جانا گیا) عقل اور معقول (جو عقل میں لایا گیا) وہم اور موہوم میں رابطہ ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ بندہ جس حد تک ترک ماسوی اللہ کرتے سے درجہ فنا حاصل کر لیتا ہے اسی کے مطابق اس کو ایسا مقامِ وصال نصیب ہو جاتا ہے جو قرب و بُعد، جہات و اطراف، مقابلہ (آمنے سامنے ہونا) اتصال (وصل) اور انفصال (جدائی) سے مبرّا و منزّہ ہے۔ پاک ہے وہ ذات جس کی پنہائی میں اس کا ظہور ہے جو اپنی تجلّی میں مستتر ہے اور جس کی آشنائی میں ناآشنائی ہے۔ جس شخص نے دنیا میں اس حقیقت کو پا لیا اور اپنے نفس کا محاسبہ کیا قبل اس کے کہ عالم عقبیٰ میں اُس سے باز پرس کی جائے تو وہ رہائی پانے والوں میں سے ہے۔ نہیں تو زمانہ مستقبل میں (یعنی آخرت میں) نفس کے مکر و فریب کا انجام کار انتہائی دشواریاں اور مشکلات ہیں۔ مثلاً عذاب قبر، حسابِ محشر، میزان (ترازو کے ازل جس میں قیامت کے دن اعمال جانچے جائیں گے) خوف پلصراط اور ان کے علاوہ دیگر ہولناک مناظر کا سامنا۔

گیارہویں فصل

سعادت اور شقاوت کے بیان میں

جان لو کہ لوگ ان ہر دو قسم کی صفات سے خالی نہیں ہیں اور ایسے ہی یہ دونوں علامات کبھی ایک ہی شخص میں پائی جاتی ہیں۔ جب اس آدمی کا اخلاص نیکیاں بڑھ جاتی ہیں یعنی نفسانیت روحانیت سے بدل جاتی ہے تو

سعادت اسکی شقاوت کی جگہ لے لیتی ہے۔ جب حرص و ہوا کے تابع ہو جاتا ہے تو معاملہ بالکل برعکس ہو جاتا ہے۔ جب ہر دو جہات کے لحاظ سے یعنی از روئے شقاوت و سعادت برابر ہوتا ہے۔ پھر بھی نیکی کا پلہ بھاری ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے "جو ایک نیکی لائے تو اس کے لئے اس جیسی دس ہیں"۔ اور اس سے بھی زیادہ اور اس کی خاطر ترازو رکھی جاتی ہے کیونکہ جس کی نفسانیت قطعی طور پر روحانیت سے بدل جاتی ہے اس کے لیئے ترازو رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ حساب کے بغیر آئے گا اور بغیر حساب جنت میں داخل ہو گا اور اسی طرح وہ شخص جس کا معاملہ اس کے برعکس ہو گا بغیر حساب دوزخ میں داخل ہو گا اور جس کی نیکیاں زیادہ ہوں گی وہ بغیر حساب جنت میں داخل ہو گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "جس کی تولیں بھاری ہوئیں یعنی نیکیاں زیادہ ہوئیں وہ پسندیدہ زندگی میں ہیں"۔ اور جس کی برائیاں زیادہ ہوئیں تو اُسے اُس کے گناہوں کے مُطابق سزا دی جائے گی۔ پھر وہ دوزخ سے نکالا جائیگا اگر وہ ایماندار ہو گا اور جنت میں داخل ہو گا۔ سعادت و شقاوت سے مراد نیکیاں و برائیاں ہیں۔ جب ان میں سے ایک دوسری سے تبدیل ہو جائے۔ (یعنی جب نیکیوں کا غلبہ ہو تو انسان سعید ہے۔ اور اگر برائیوں کا پلہ بھاری ہو تو شقی ہے) جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد عالی ہے "شقی کبھی سعید ہو سکتا ہے اور اسی طرح سعید بھی شقی ہو سکتا ہے"۔ جب نیکیاں غالب آ جائیں تو سعید ہو جاتا ہے اور برائیوں کا غلبہ ہو جائے تو شقی۔ پس جس نے توبہ کی، اور ایمان لایا اور نیک کام کیئے اس کی شقاوت سعادت سے بدل دی جاتی ہے اور جو سعادت و شقاوت روزِ ازل سے ہر ایک کے مقدر میں لکھی ہوئی ہے وہ ضرور اس کے شاملِ حال ہو گی۔ جیسا کہ حضور علیہ افضل الصلوٰۃ والسّلام کا

ارشاد پاک ہے "سعید ماں کے پیٹ میں ہی سعید ہے اور شقی ماں کے پیٹ میں ہی شقی ہے۔" اس بحث میں الجھنا کسی کے لیے مناسب نہیں کیونکہ تقدیر کے اسرار میں بحث کرنے کا نتیجہ بے دینی ہے۔ کسی کے لیے جائز نہیں کہ نوشتہ تقدیر کا بہانہ یا عذر پیش کر کے نیک اعمال ترک کر دے اور یوں کہنا شروع کر دے "اگر میں ازل سے شقی (بد بخت) ہوں تو مجھے نیک عمل فائدہ نہیں دے گا۔ اور اگر میں سعید (نیک بخت) ہوں تو برا عمل مجھے ضرر نہیں پہنچا سکتا۔" شیطان نے جب اپنے فعل کو تقدیر الہٰی کی طرف منسوب کیا (یعنی جب یہ خیال کیا کہ قدرت نے میرے مقدر میں یونہی لکھا تھا) تو وہ کافر و مرتد ہو گیا اور حضرت سیدنا آدم علیہ و علیٰ نبینا افضل الصلوٰۃ و اکمل السلام نے جب اپنے قصور کو اپنے نفس کی طرف منسوب کیا تو فلاح پا گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا۔ لہٰذا ہر مسلمان پر واجب ہے کہ تقدیر کے راز میں غور و فکر نہ کرے۔ ایسا نہ ہو کہ پراگندہ حال ہو جائے۔ اس بات سے ڈرتا رہے کہ زندقہ اور بے دینی کے گڑھے میں نہ گر جائے (زندیق اس کو کہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان نہ ہو۔ ظاہر میں مومن اور باطن میں کافر ہو) ایماندار مسلمان کیلئے یہ عقیدہ رکھنا نہایت ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ عزاسمہٗ دانا اور حکمت والا ہے اور یہ جملہ احوال اور کیفیتیں مثلاً کفر، نفاق اور فسق و فجور وغیرہ جو انسان اس دارِ فانی میں دیکھتا ہے، حکم کے ماتحت ہیں اور اللہ جل جلالہٗ کا منشا ان سے اپنی قدرت اور حکمت کا ظاہر کرنا ہے۔ اور ان میں ایک رازِ عظیم پوشیدہ ہے جس پر جناب حبیب کبریا سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی ذات بابرکات کے سوا کوئی فرد بشر مطلع نہیں۔ حکایت بیان کی گئی ہے کہ کسی عارف نے راز و نیاز کی

گفتگو کرتے ہوئے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی "الٰہی! تونے اندازہ کیا، تونے ہی
ارادہ کیا، اور تونے ہی میرے نفس میں معصیت کو پیدا کیا"۔ ہاتفِ غیب نے
ندا دی "اے میرے بندے۔ یہ شرطِ توحید ہے۔ عبودیت کے لیے یہ شرط نہیں ہے
(یعنی بندے کو اس قسم کی باتیں کرنا زیب نہیں)"۔ عارف نے دوبارہ عرض
کی "الٰہی میں نے خطا کی، میں نے گناہ کیا اور اپنے نفس پر ظلم کیا"۔ غیب سے
پھر آواز آئی "فرمایا! میں نے بخش دیا، معاف فرمادیا اور میں نے رحم کیا"۔ ہر ایمان
پر لازم ہے کہ نیکی کو اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق سے اور برائی کو اپنی شامت
نفس کے سبب سے سمجھے۔ حتیٰ کہ اس کا شمار ان بندگان میں ہو جائے
جن کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور وہ لوگ جو کوئی بے حیائی کا کام
کریں یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ تعالیٰ کی یاد کرکے اپنے گناہوں کی معافی
چاہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کون گناہ بخشتا ہے"۔ بندے کی بہتری اور بہبودی
اسی میں ہے کہ (بر سبیلِ ادب) گناہوں کا پیدا کیا جانا اپنے نفس کی طرف
منسوب کرے اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت نہ کرے۔ اگرچہ حقیقی خالق
الافعال اسی کی ذات پاک ہے اور وہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث
پاک ہے اَلشَّقِیُّ وَالسَّعِیْدُ فِیْ بَطْنِ اُمِّہٖ (شقی اور سعید اپنی ماں کے
پیٹ میں ہی شقی اور سعید ہے) تو اس میں لفظ اُمّ (یعنی ماں) سے
مراد اربع عناصر (یعنی مٹی۔ آگ۔ پانی۔ ہوا) ہے۔ جس سے قوی بشری پیدا
ہوتے ہیں مٹی اور پانی مظہر سعادت ہیں کیونکہ یہ دونوں اجزا دل میں ایمان
وعلم اور تواضع کو زندہ کرنے والے اور ان کے نشوونما کا باعث ہیں۔ ان کے
برعکس آگ اور ہوا ہر دو اجزا جلا دینے والے اور ہلاکت کا موجب ہیں۔
پاک ہے۔ وہ ذات جس نے ایک دوسرے کے مخالف اجزاء کو ایک جگہ

جسم میں اکٹھا کر دیا ہے۔ جس طرح بادلوں میں پانی اور آگ، روشنی اور تاریکی کو جمع فرما دیتا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے" وہ ہے خدائے تعالیٰ جو تمہیں دکھاتا ہے بجلی کہ اس میں ڈر اور اُمید ہے (ڈر اس لیے کہ گر کر نقصان نہ پہنچائے اور اُمید اس لئے کہ وہ مینہ کی نشانی ہے اور بارش سے نفع اٹھانے کی اُمید ہوا کرتی ہے) اور بھاری بدلیاں (یعنی مینہ کی بھری ہوئی) اٹھاتا ہے۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا" آپ نے اللہ تعالیٰ کو کس چیز سے پہچانا؟" فرمایا" اجتماعِ اضداد سے (یعنی قدرتِ کاملہ کا یہ وصف دیکھ کر کہ مخالف اشیاء اور اجزاء مثلاً آگ و پانی وغیرہ کو باہم جمع کر دیا ہے) اسی لئے انسان کو اللہ تعالیٰ کے جمال وجلال کا آئینہ اور مجموعۂ کون (خلاصۂ عالم موجودات) کہا گیا ہے اور اس کو کون جامع (یعنی خلاصہ کائنات) اور عالم کبریٰ (یعنی سب سے بڑا جہاں) کے نام سے موسوم کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے دونوں ہاتھوں یعنی صفاتِ جلالی وجمالی سے پیدا کیا ہے۔ آئینہ میں کثافت اور لطافت دونوں صفات کا ہونا لازمی ہے۔ اس لیے یہ صفاتِ الٰہیہ کا مظہر اتم ہے۔ بخلاف باقی اشیاء کے جن کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہاتھ یعنی صرف ایک صفت لطف (یعنی جمالی) سے پیدا فرمایا۔ مثلاً فرشتے جو صرف اسم سُبّوح قدّوس کے مظہر ہیں (یعنی ہر وقت باری تعالیٰ کی تسبیح اور تقدیس میں مشغول ہیں) اور صفت قہر سے ابلیس اور اس کی اولاد کو پیدا کیا وہ مظہر اسم جبّار ہیں، اس لیے انھوں نے سرکشی کی اور حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ چونکہ انسان تمام کائنات کی عُلوی اور سفلی صفات کا جامع ہے (یعنی اس میں تنزل اور ترقی کرنے کی دونوں صفات موجود ہیں) اس لیے انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام بھی

لغزش سے خالی نہیں رہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام منصب نبوت اور رسالت پر فائز ہونے کے بعد معمولی لغزشوں کو نظر انداز کر کے باقی تمام کبیرہ گناہوں سے معصوم اور پاک ہوتے ہیں مگر اولیاء معصوم نہیں ہیں اور کہا گیا ہے کہ کمالِ ولایت کو پہنچ کر (یعنی ولایت کا انتہائی مقام حاصل کرنے کے بعد) اولیاء بھی کبیرہ گناہوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ شیخ شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ سعادت (یعنی نیک بختی) کی پانچ علامات ہیں (۱) دل کا نرم ہونا (۲) کثرت سے گریہ وزاری کرنا (۳) دنیا کی لذتوں سے کنارہ کرنا (۴) اُمیدوں کا کوتاہ ہونا (۵) بکثرت حیا کرنا اور شقاوت (یعنی بدبختی) کی بھی پانچ علامات ہیں (۱) فسادات قلبی (۲) جمود العین (یعنی آنکھ سے آنسوؤں کا جاری نہ ہونا (۳) دنیا کی رغبت (۴) دراز اُمیدیں (۵) قلت حیا۔ حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد عالی ہے۔ سعید ہونے کی چار علامات ہیں (۱) جب اس کو امین بنایا جاتا ہے تو عدل کرتا ہے (۲) جب عہد کرتا ہے تو اس کو پورا کرتا ہے (۳) کلام کرتا ہے تو سچ بولتا ہے (۴) کسی سے باہمی جھگڑا ہو جائے تو گالی گلوچ سے احتراز کرتا ہے اور شقی کی بھی چار علامات ہیں (۱) جب امین بنایا جائے تو خیانت کرتا ہے (۲) وعدہ خلافی کرتا ہے۔ (۳) جب کلام کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے (۴) کسی کے ساتھ جھگڑا کرتا ہے تو گالی گلوچ کرتا ہے اور اپنے بھائیوں کی لغزش سے درگذر نہیں کرتا۔ حالانکہ عفو (یعنی کسی کی خطا سے درگذر کرنا) دین اسلام کی سب سے بڑی خوبی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہمارے آقا و مولا نبی کرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کو عفو کا حکم دیا۔ اے محبوب پاک! معاف کرنا اختیار کیجئے اور بھلائیوں کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے اعراض فرمایئے یعنی اُن سے روگردانی کیجئے اور اُن سے جھگڑا نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے

اس آیۂ کریمہ میں نہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی کو لوگوں کے گناہوں سے درگذر کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ تمام امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لیئے یہ ایک اعلان عام ہے۔ کیوں کہ جب کسی کام کیلئے بادشاہ کی طرف سے کسی حاکم کے نام کوئی حکم صادر ہوتا ہے تو اس کے زیر فرمان تمام اہالیان شہر بھی اس حکم میں شامل ہوتے ہیں اگرچہ مخاطب صرف حاکم علاقہ ہوتا ہے۔" اس فقیر نے جو خُذِ الْعَفْوَ کی شرح کی ہے تو اس میں خُذْ سے مراد یہ لی ہے کہ اپنے اندر عفو کی دائمی عادت پیدا کرو۔ چنانچہ لوگوں کی لغزشوں سے درگذر کرنا جس کی عادت میں داخل ہو گیا ہے وہ فی الحقیقت اللہ تعالیٰ کے اسم عَفُوٌّ کے رنگ میں رنگا گیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے "پس جس نے معاف کیا اور کام سنوارا تو اس کا اجر اللہ تعالیٰ پر ہے۔" جان لو کہ تربیت کے اثر سے شقاوت سعادت سے اور سعادت شقاوت سے بدل جاتی ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے "ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے والدین چاہیئے اسے یہودی بنالیں یا نصرانی یا آتش پرست ...... الخ" یہ حدیث شریف اس بات کی دلیل ہے کہ ہر شخص میں سعادت وشقاوت کی قابلیت موجود ہے۔ کسی کے حق میں یہ کہنا درست نہیں کہ فلاں شخص قطعی سعید یا شقی ازلی ہے۔ بلکہ جب کسی شخص کی نیکیاں برائیوں پر غالب ہوں تو اس کو سعید کہنا درست ہے اسی طرح جس کی برائیاں زیادہ ہوں اس کو شقی کہنا جائز ہے۔ اس کے سوا اگر کوئی شخص بغیر کلمہ کہتا ہے تو وہ گمراہ ہے کیونکہ وہ اعتقاد رکھتا ہے کہ انسان بغیر عمل اور توبہ کے جنت میں اور بغیر جرم وخطا کے دوزخ میں داخل ہوگا اور یہ عقیدہ صریحاً آیت قرآنی کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے

نیکوکاروں اور اہل ایمان کو جنت کا وعدہ دیا ہے اور کافروں، مشرکوں اور گنہگاروں کو دوزخ کا وعدہ دیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "جو نیکی کرے وہ اپنے بھلے کو اور جو بُرائی کرے تو اپنے بُرے کو" نیز فرمایا کہ آج دن ہر نفس اپنے کیے کا بدلا پائیگا۔ آج کسی پر زیادتی نہیں۔ پھر فرمایا۔ "آدمی کیلئے اتنا ہی صلہ ہے جتنی اس نے کوشش کی" نیز ارشاد باری ہے "اور جو بھلائی اپنی جانوں کیلئے آگے بھیجوگے اسے اللہ تعالیٰ کے یہاں پاؤگے"

بارہویں فصل

فقراء کے بیان میں

فقراء کو جو صوفیا کے سے موسوم کیا گیا ہے تو بعض کے نزدیک اس کی چند ایک وجوہات ہیں (۱) یہ کہ وہ صوف یعنی پشم کا لباس پہنتے تھے یا (۲) انھوں نے اپنے دلوں کو دنیوی آلائشوں سے پاک وصاف کر لیا (۳) اللہ تعالیٰ کے سوا ہر غیر کے خیال سے ان کا دل خالی ہو گیا اور ایک گروہ نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ بروز قیامت فقراء عالم قرب میں پہلی صف میں کھڑے ہوں گے (اس لئے ان کو صوفیہ کا لقب دیا گیا ہے) کیونکہ عالم بلحاظ تعداد چار ہیں (۱) عالم ملک (۲) عالم ملکوت (۳) عالم جبروت (۴) عالم لاہوت یعنی عالم حقیقت۔ اسی طرح علوم بھی چار ہیں (۱) علم شریعت (۲) علم طریقت (۳) علم معرفت (۴) علم حقیقت اور ارواح کی بھی چار اقسام ہیں (۱) روح جسمانی (۲) روح نورانی (۳) روح سلطانی (۴) روح قدسی

اور اسی طرح تجلیات بھی چار اقسام کی ہیں (۱) تجلیٔ آثار (۲) تجلیٔ افعال (۳) تجلیٔ صفات (۴) تجلیٔ ذات اور عقل کی بھی چار اقسام ہیں (۱) عقلِ معاش (۲) عقلِ معاد (۳) عقلِ روحانی (۴) عقلِ کل۔ اور بمقابلہ ہر چار عالم مذکورہ کے علوم، ارواح، تجلیات اور عقول ہیں۔ لوگوں میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو دائرہ علم اول، روحِ اول، تجلی اول، اور عقل اول کے اندر محصور ہے یعنی یہ لوگ اس سے آگے ترقی نہیں کر سکے۔ ان کا مقام پہلی جنت یعنی جنت الماویٰ میں ہے۔ فریق ثانی میں وہ لوگ شامل ہیں جو حدودِ ثانی، روحِ ثانی، تجلی ثانی اور عقل ثانی سے تجاوز نہیں کر سکے ان کا مقام دوسری جنت یعنی جنت نعیم میں ہے اور تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جن کی استعداد علم معرفت، روحِ سلطانی، تجلی صفات اور عقل روحانی تک محدود ہے ان کا مقام تیسری جنت یعنی جنت الفردوس ہے۔ یہ سب لوگ ان اشیاء کی حقیقت سے بے خبر رہے ہیں اور فقراء عارفین میں سے اہلِ حق نے ان سب مقامات سے رو گردانی کرتے ہوئے راہِ فرار اختیار کی اور مقامِ حقیقت و قرب کو پالیا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی چیز کی محبت میں گرفتار نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کی "فَفِرُّوا اِلَی اللّٰہِ" (پس اللہ تعالیٰ کی طرف بھاگو) اور جیسا کہ ارشاد حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ "دُنیا اور آخرت اہل اللہ پر حرام ہے"۔ حرام سے مراد یہ ہے کہ اہل اللہ نے خود اپنے نفسوں پر ان کی طلب اور محبت حرام کر دی ہے۔ ورنہ فی الحقیقت یہ ہر دو مقام نہ تو حرام ہیں اور نہ ہی ان پر حرام کیے گئے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہم مُحدَث (نو پیدا) ہیں اور دُنیا و آخرت بھی حادث، لہٰذا حادث کس طرح حادث کا طالب

ہو سکتا ہے بلکہ حادث پر واجب ہے کہ وہ مُحدِث (پیدا کرنے والے) کی طلب کرے۔ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے "فقراء سے محبت رکھنا میرے ساتھ محبت رکھنا ہے"۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشادِ عالی ہے" فقر میرا فخر ہے اور میرے لیئے باعثِ ناز ہے"۔ اس فقر سے وہ فقر مراد نہیں جو عوام میں مشہور ہے بلکہ فقر حقیقی سے مراد افتقار الی اللہ ہے (یعنی محض اللہ عز وجل کے فضل و کرم کا محتاج ہونا) اور اس کی ذات کے سوا دنیا اور آخرت کی تمام لذتوں اور نعمتوں کا ترک کر دینا ہے یعنی انسان کو فنا فی اللہ کا وہ مقام حاصل ہو جائے کہ اس کے نفس میں اس کے نفس کیلئے کوئی شئے باقی نہ رہے اور اس کے دِل سوائے ذات باری تعالیٰ کے کسی کی سمائی نہ ہو۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" میری زمین و آسمان میں سمائی نہیں ہے۔ لیکن میں اپنے مومن بندے کے قلب میں سما جاتا ہوں" اور مومن سے مراد وہ شخص ہے جس کا دِل بشری آلائشوں سے پاک و صاف ہو گیا اور اغیار کے خیال سے خالی ہو گیا تو اُس کے شفاف آئینہ قلب میں ذاتِ حق یعنی عکس جمال ذات کی سمائی ہو جاتی ہے۔ حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔ عرش اور جو اس کے گرد و پیش ہے اگر گوشہ ہائے عارف کے کسی کونے میں ڈال دیئے جائیں تو اس کو ان کا احساس تک نہ ہو"۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو دوست رکھا تو آخرت میں وہ ان کے ساتھ ہو گا ان سے محبت کی نشانی یہ ہے کہ ان کی صحبت میں بیٹھنے کا اشتیاق اور جذبہ شوق لقا باری تعالیٰ دل میں موجزن ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے" نیکو کار میری ملاقات کیلئے بے تاب رہتے ہیں۔

اور حقیقت یہ ہے کہ میں ان کا اشد مشتاق ہوں"۔ اور وہ جو لباس
پہنتے ہیں وہ تین قسم کا ہے جیسا کہ ہم تیسری فصل میں ذکر کر چکے ہیں اور
ان کے اعمال کی یہ کیفیت ہے کہ مبتدی کے عمل میں نیکی اور بدی کے
دونوں رنگ پائے جاتے ہیں اور متوسط کے عمل میں صرف نیکی کے
مختلف رنگ پائے جاتے ہیں۔ مثلاً انوارِ شریعت، طریقت اور
معرفت، اور اسی طرح ان کے باطنی لباس مختلف رنگوں کے ہیں مثلاً
سفید، نیلگوں اور سبز کے۔ منتہی کا عمل سورج کے نور کے مانند (یعنی جس
طرح سورج کی روشنی کوئی رنگ قبول نہیں کرتی) تمام رنگوں سے
ہوتا ہے اور اسی طرح اس کا لباس بھی سیاہ رنگ کی مانند (جس پر کوئی
دوسرا رنگ نہیں چڑھ سکتا) تمام رنگوں سے پاک ہو جاتا ہے اور وہ
علامت ہے اس کے نورِ معرفت کا نقاب یعنی حجاب اُٹھ جانے کی۔
یہ نقاب نورِ معرفت اسی طرح ہے جس طرح رات نورِ شمس کا نقاب ہے۔
ارشادِ باری تعالیٰ ہے "ہم نے رات کو پردہ پوش بنایا اور دن کو روزگار
کیلئے بنایا"۔ اس قول میں صاحب عقل سلیم اور عالم علم حقیقت کے لئے
ایک لطیف اشارہ ہے اور نیز اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا میں
مقبولانِ بارگاہ کی زندگی قید خانہ، غربت، غم و الم، محنت و شدت
اور ظلمت رنج میں گذر جاتی ہے جیسا کہ حضور پرنور علیہ افضل الصلوٰۃ واکمل السلام
کا ارشاد عالی ہے۔ "دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے"۔ اس ظلمت کدہ میں
ظلمانی لباس (سیاہ یا ماتمی لباس) ہی موزوں ہے۔ صحیح حدیث شریف
میں ہے: "انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام بڑی آزمائشوں میں ڈالے گئے"۔
یعنی (ابتلا ان پر مسلط کر دی گئی) جتنا کوئی زیادہ مرتبے والا اتنا ہی زیادہ کڑی

آزمائش میں آیا۔ سیاہ لباس پہننا اور کالے رنگ کا عمامہ باندھنا مصیبت اور آزمائش کی علامت ہے اور ان سوگواروں اور مصیبت زدوں کا لباس ہے جن میں حصول مراتب (مثلاً مکاشفہ مشاہدہ معائنہ) کی قابلیت جاتی رہی جو اپنی مردہ دلی کے باعث حیاتِ ابدی سے محروم ہو گئے۔ جن کے جذبات ذوق و شوق، عشق الہیٰ روح قدسی مردہ ہو گئے اور مرتبہ قرب و وصال حاصل نہ کر سکے اور یہ امور عظیم ترین مصائب سے ہیں ایسے شخص کیلئے عمر بھر ماتمی لباس پہننا نہایت لازمی ہے کیوں کہ وہ اخروی منفعت کھو بیٹھا۔ یہ سلسلہ ایسے ہی ہے کہ جب کسی عورت کا خاوند مر جائے تو اس کے لیئے اللہ تعالےٰ کا حکم ہے کہ وہ چار ماہ اور دس دن ماتمی لباس پہنے یہ سبب اس دنیوی منفعت کے فوت ہو جانے کے اور جس کی اخروی منفعت فوت ہو جائے تو اس کے لیئے مدتِ ماتم غیر تناہی ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا ہے" اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کو خطرہ عظیم درپیش رہتا ہے اور یہ فقر اور فنا کی صفت ہے" اور حدیث شریف میں جو آیا ہے" اَلْفَقْرُ سَوَادُ الْوَجْهِ فِي الدَّارَيْنِ (یعنی فقر دونوں جہانوں میں روسیاہی کا نام ہے) تو اس کے معنیٰ یہ ہے کہ فقر سوائے نور ذات باری تعالیٰ کے کوئی رنگ قبول نہیں کرتا ہے اور سیاہی بمنزلہ خال رخ جمیل ہے۔ اس کی خوبصورتی اور حسن کو دوبالا کر دیتا ہے۔ جب مقربین خدا جمال الہیٰ کا نظارہ کر لیتے ہیں تو اس کے بعد ان کی آنکھوں کا نور کسی غیر اللہ کو دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ اور اس کی ذات کے سوا وہ کسی کو نگاہ محبت سے نہیں دیکھتے بلکہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ ہی ان کا محبوب و مطلوب ہوتا ہے اور ان کے دلوں سے غیر اللہ کی طلب مٹ جاتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس لئے

پیدا کیا ہے کہ وہ اس ذات پاک کی معرفت اور قرب حاصل کرے۔ لہذا انسان کیلئے نہایت ضروری ہے کہ دونوں عالم میں اس ذات کی تلاش کرے جس کی طلب کیلئے پیدا کیا گیا ہے' ایسا نہ ہو کہ اس کی عمر بے سود اور بے ہودہ کاموں میں ضائع ہو جائے اور اسے اس دنیا سے کوچ کرنے کے بعد اپنی عمر رائیگاں جانے کے باعث ہمیشہ کیلئے بارِ ندامت اٹھانا پڑے۔

تیرھویں فصل

طہارت کے بیان میں

طہارت بھی دو۲ قسم کی ہے (۱) طہارت ظاہری جس کے حصول کیلئے شریعت کے پانی کی ضرورت ہے اور (۲) طہارت باطنی جو توبہ' تلقین' تصفیہ اور اہل طریقت کی راہ اختیار کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ جب نجاست وغیرہ کے خارج ہونے سے وضو شریعت ٹوٹ جائے تو پانی سے تازہ وضو کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے۔ "جس نے تازہ وضو کیا اللہ تعالیٰ نے اس کے ایمان کو تازہ کیا" اور جیسا کہ دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا "وضو پر وضو نور علی نور" یعنی نہایت مفید اور افضل فعل ہے۔ جب برے افعال اور رذیلہ اخلاق (مثلاً تکبر' غرور' حسد' کینہ' غیبت' بہتان' جھوٹ اور مثل آنکھ' کان' ہاتھ اور پاؤں کی خیانت کے باعث باطنی وضو فاسد ہو جائے تو اس کی تجدید کا طریقہ یہ ہے کہ ان مفسدات (باطنی وضو) یعنی مذکورہ گناہوں سے سچی توبہ کرے۔ ان سے استغفار کرے اور اپنی معصیت پر نادم ہو کر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور اعمال فاسدہ

واعتقادات باطلہ کا قلع قمع کرے۔ عارف کے لیے نہایت لازمی ہے کہ
ان آفات سے اپنی توبہ کی نگہداشت کرے (یعنی اپنے آپ کو ان
گناہوں سے محفوظ رکھے) تاکہ اس کی نماز کامل اور مکمل ہو جائے جیساکہ
ارشاد باری تعالیٰ ہے "یہ وہ ہے جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو ہر رجوع
لانے والے، نگہداشت والے کے لیے"۔ ہر دن اور رات کے لیے ظاہری
وضو کا وقت مقرر ہے اور باطنی وضو دائمی انتہائے عمر تک ہے عمر سے
مراد مدت حیات دنیوی واخروی ہے مگر باطنی ابدی ہے جس کی انتہا نہیں

چودھویں فصل

شریعت اور طریقت کی نماز کے بیان میں

جو نمازِ شریعت ہے تو اس کا علم تمہیں اللہ کے اس قول حَافِظُوْا
عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی (نگہبانی کرو سب نمازوں کی
اور درمیانی نماز کی) سے ہو گیا۔ نمازِ شریعت سے مراد اعضائے ظاہری
(مثلاً ہاتھ، پاؤں وغیرہ) اور حرکاتِ جسمانی سے نماز کے ارکان قیام، قراءت،
رکوع، سجود، قعود آواز اور الفاظ وغیرہ کی ادائیگی ہے اسی واسطے اللہ تعالیٰ
نے اپنے ارشاد حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ میں جمع کا لفظ فرمایا ہے۔ وہ جو
نماز طریقت ہے تو وہ دائمی قلبی نماز ہے جو اس آیۂ کریمہ مذکورہ میں صلوٰۃ
وسطیٰ یعنی نمازِ قلب سے تعبیر کی گئی ہے کیونکہ دل جسم کے وسط میں پیدا کیا گیا
ہے یعنی دائیں اور بائیں پہلوؤں کے درمیان میں جسم کے بالائی اور نچلے

جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے "تحقیق اولادِ آدم کے دل اللہ تعالیٰ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہیں جسطرح چاہتا ہے دلوں کو پھیر دیتا ہے۔ دو انگلیوں سے اللہ تعالیٰ کی قہر و لطف کی دو صفات مراد ہیں۔ آیہ کریمہ اور حدیث مذکورہ سے یہ بات واضح ہو گئی کہ حقیقی نماز قلبی نماز ہے۔ جب انسان اس نماز سے غافل ہو گیا تو اس کی نماز فاسد ہو گئی اور جب قلبی نماز فاسد ہو گئی تو اس کی ظاہری نماز بھی خراب ہو گئی۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد عالی ہے "حضورِ قلب کے بغیر نماز نہیں ہوتی" کیوں کہ نمازی (نماز میں) اللہ تعالیٰ کی تعریف اور اپنی عاجزی کا اظہار کر کے دعا اور التجا کرتا ہے اور مناجات کا مقام دل ہے۔ جب قلب غافل ہو تو اس کی باطنی نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ ظاہری نماز بھی کیوں کہ دل اصل (بنیاد) ہے اور باقی اعضاء اس کے تابع ہیں جیسا کہ شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "انسان کے جسم کے اندر ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے۔ جب وہ بگڑ جائے تو سارے کا سارا جسم خراب ہو جاتا ہے" سن لو وہ گوشت کا لوتھڑا دل ہے۔ نمازِ شریعت کیلئے دن رات میں پانچ اوقات مقرر ہیں اور سنت طریقہ یہ ہے کہ یہ نماز بلا ریا یا تصنع مسجد میں قبلہ رخ ہو کر امام کے پیچھے باجماعت ادا کی جائے (اور یہ فرض ہو چکا) اور نماز طریقت دائمی نماز ہے اس کے لیے تمام عمر درکار ہے۔ اس کی مسجد قلب ہے اور اس کی جماعت تمام قوائے باطنی کا مل کر باطنی زبان سے اسمائے توحید کے ذکر میں مشغول ہونا ہے اس کا امام دل کے اندر جذبہ شوق ہے۔

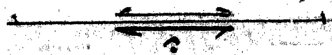
اور اس کا قبلہ حضرت احدیت (جل جلالہٗ) اور جمالِ صمدیت یعنی قبلۃ الحقیقت ہے۔ دل اور روح دونوں علی الدوام اس نماز میں مشغول ہیں۔ دل نہ سوتا ہے اور نہ ہی اس کو موت ہے بلکہ نیند اور بیداری میں مشغول رہے اور قلبی نماز دل زندہ ہونے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس میں نہ آواز ہے اور نہ قیام و قعود۔ اپنے نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کی اتباع کرتے ہوئے دل اللہ تعالیٰ کو ان کلمات (یعنی اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ) سے مخاطب کرتا ہے۔ تفسیر قاضی میں آیا ہے اس آیۂ کریمہ میں عارف کے حال کی طرف اشارہ ہے کہ اس کی حجابی کیفیت اُٹھ جاتی ہے اور بارگاہِ یکتا (جل شانہٗ) میں اُسے حضوری کا شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ پھر وہ ان مقربانِ الٰہ کے زمرے میں شامل ہو جاتا ہے۔ جن کے حق میں حضور سرورِ دو جہاں مالک کون و مکان صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے "انبیاء (علیہم السلام) و اولیاء (کرام) اپنی قبروں میں ایسے ہی نمازیں پڑھتے ہیں۔ جیسے اپنے گھروں میں"۔ یعنے اپنے زندہ دلوں سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی مناجات میں مشغول رہتے ہیں۔ جب ظاہری اور باطنی دونوں نمازیں جمع ہو جائیں تو نماز مکمل ہو جاتی ہے اور اس کا اجرِ عظیم اللہ تعالیٰ کی جناب میں روحانی قرب اور جنت میں درجات جسمانی ہیں اس قسم کا نمازی ظاہراً عابد ہوتا ہے اور باطناً عارف اگر حیاتِ قلب حاصل نہ ہونے کے باعث نمازِ طریقت اور نمازِ شریعت کی یکجائی کسی نمازی کو نصیب نہ ہو تو وہ ناقص ہے اس کا اجر درجات سے ہے قربات سے نہیں (یعنی اسکو جنت میں درجات مل سکتے ہیں قربِ الٰہی سے محروم رہتا ہے)

پندرہویں فصل

عالم تجرید میں طہارتِ معرفت کا بیان

طہارتِ معرفت دو قسم کی ہے (۱) وہ طہارت جس سے معرفت صفاتِ الٰہیہ حاصل ہو جائے (۲) وہ طہارت جس سے معرفت ذاتِ باری حاصل ہو جائے۔ طہارتِ معرفت صفاتِ الٰہیہ تلقین (مرشدِ کامل) اور آئینہ قلب کو بواسطہ ذکر اسماء توحید نقوشِ بشریت اور حیوانیت سے صاف کرنے کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی (یعنی جب دل کا آئینہ بشری نقش و نگار کے اثرات اور اخلاقِ ذمیمہ سے پاک ہو جاتا ہے) تو چشم دل کو اللہ تعالیٰ کے صفاتی نور سے ایسی بصیرت حاصل ہو جاتی ہے۔ کہ وہ اس کے ذریعہ آئینہ دل میں اللہ تعالیٰ کے جمال کا عکس دیکھتا ہے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالی ہے "مومن اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے"۔ نیز فرمایا "مومن آئینہ قلب ہے"۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "عالم نقش و نگار کرتا ہے اور عارف صیقل کرتا ہے"۔ اسماء توحید کے دائمی ذکر و شغل سے جب آئینہ قلب بالکل پاک و صاف ہو جاتا ہے تو اس میں معرفت صفاتِ الٰہیہ کا مشاہدہ حاصل ہو جاتا ہے اور وہ جو طہارت معرفت ذات ہے اس کا حصول مقام سر میں بارہ ۱۲ اسماء الاصول میں سے تین آخری اسماء توحید کے دائمی ذکر و شغل سے ہے اس اشتغال دائمی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ (دل کے اندر) مقام سر میں جو باطنی آنکھ ہے اس کو نورِ توحید سے بصیرت حاصل ہو جاتی ہے جب انوارِ الٰہی جلوہ فرماتے ہیں تو بشریت وحدتِ انوارِ الٰہی سے برطرف یا

گھی کی طرح پگھل جاتی ہے اور بالکل فنا ہو جاتی ہے۔ پس یہ فنا اور فناء الفناء کا مقام ہے اور یہ تجلی تمام قسم کے انوار کو مٹا دیتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اس کی ذات کے سوا ہر چیز فانی ہے"۔ نیز فرمایا کہ "اللہ (تعالیٰ) جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے ثابت رکھتا ہے اور اصل لکھا ہوا اُسی کے پاس ہے"۔ پس روحِ قدسی جو اُس ذات سے ہے، اسی کے ساتھ اسی میں اور اسی کیلئے باقی رہ جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے نور سے اُسی ذات کا مشاہدہ بلا کیفیت اور تشبیہ کرتا رہتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اس جیسا کوئی نہیں"۔ اس وقت محض نورِ مطلق باقی رہ جاتا ہے اس سے آگے جو معاملہ ہے اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے کیونکہ وہ عالم فنا ہے وہاں نہ عقل باقی رہتی ہے جو اس کی بابت آگاہ کرے اور نہ وہاں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی محرم اسرار ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا "میرے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت ہے جس میں نہ کسی فرشتہ مقرب اور نہ کسی نبی مرسل کو گنجائش ہے"۔ پس یہ عالم تجرید (یعنی تنہائی) ہے۔ جس میں کسی غیر اللہ کو گنجائش نہیں۔ جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تنہائی اختیار کر اور مجھے پالے" (یعنی تمام چیزوں سے فارغ ہو کر) حتیٰ کہ اپنی ہستی کو بھی مٹا کر میری طرف آیا تو مجھے پائے گا" تجرید سے مراد صفات بشری کا کلیتہً فنا ہونا ہے جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے "اپنے اندر اخلاق الٰہیہ یعنی اس کی صفات پیدا کرو"۔



سولہویں فصل

زکوٰۃ شریعت اور طریقت کے بیان میں

زکوٰۃ شریعت سے مُراد یہ ہے کہ انسان دُنیا میں جو کمائی کرے جب وہ (حدِ نصاب) کو پہنچے تو اس میں سے ہر سال وقتِ معینہ پر جو مال از روئے شرحِ نصاب جمع ہو اس کو شریعت کے احکام کے مطابق مستحقین میں تقسیم کرے۔ زکوٰۃِ طریقت یہ ہے کہ اخروی کمائی (یعنی اعمال جو آخرت کیلئے ہیں) سے فقراءِ دین اور مساکین اخروی (جن کے پاس آخرت کیلئے زادِ عمل نہیں) میں تقسیم کیا جائے۔ قرآن مجید میں اس زکوٰۃ کو صدقہ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "صدقات تو فقراء کے لیے ہی ہیں" کیونکہ وہ فقیر کے ہاتھ میں پہنچنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں پہنچ جاتے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کو قبولیت کا شرف حاصل ہو جاتا ہے اور یہ زکوٰۃ دائمی ہے (یعنی اس کے لیے وقت یا سال معیّن نہیں ہے) اور اس سے مراد ایصالِ ثواب کرنا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیئے گنہگاروں کو اخروی کمائی کا ثواب بخش دیا جاتا ہے تو ان کے گناہ (مثلاً صدقہ وخیرات اور زکوٰۃ نماز روزہ اور حج، تسبیح وتہلیل تلاوتِ قرآنِ مجید اور سخاوت وغیرہ اور دیگر اعمالِ صالح کرنے میں جو کوتاہیاں کی ہیں) اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے اور اس کی اپنی نیکیوں سے اس کی ذات کے لیئے کوئی ثواب باقی نہیں رہتا۔ چنانچہ (نیکیوں کے لحاظ سے) وہ بالکل مفلس ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سخاوت اور اخلاص کو پسند فرماتا ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ

والسلام نے ارشاد فرمایا" مفلس دونوں جہاں میں اللہ تعالیٰ کی امان میں ہے"۔
اور رابعہ عدویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا" الٰہی دنیا سے جو میرا حصہ ہے
وہ کافروں کو عطا کر دے اور عاقبت سے جو میرا نصیب ہے وہ مومنین کو
عطا فرما دے۔ میں دنیا سے سوائے تیرے ذکر کے کچھ نہیں چاہتی اور عاقبت سے
صرف تیرے دیدار کی طلب گار ہوں"۔ پس جس بندے کی جان اور مال
اپنے مولا کے لیئے وقف ہے تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ایک نیکی کے
بدلے ویسی دس نیکیوں کا ثواب عطا فرمائے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
"جو ایک نیکی لائے تو اس کے لیئے اس جیسی دس ہیں"۔ اور زکواۃ (زکواۃ طریقت)
کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ قلب کو نفسانی صفات سے پاک کیا جائے"۔
جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا" ہے کوئی جو اللہ (تعالیٰ) کو قرض حسنہ دے تو
اللہ (تعالیٰ) اس کے لیئے بہت گنا بڑھا دے گا"۔ نیز فرمایا" بیشک وہ
مراد کو پہنچا جس نے اس کو ستھرا کیا" (یعنی نفس کو برائیوں سے پاک کیا)
اس دائرہ میں قرض سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں اس کی ذاتِ کریم کی
خاطر، بلا منّت (یعنی احسان جتائے کے) بلکہ شفقت و مروت کرتے ہوئے
دولتِ اعمالِ صالحہ سے اس کی مخلوق میں خیرات کرنا ہے۔ چنانچہ ارشاد
باری تعالیٰ ہے" اپنے صدقے احسان جتا کر اور ایذا دے کر باطل نہ کرو"۔
یعنی اپنے صدقات کے عوض میں دنیا طلب نہ کرو (ورنہ تمہارے صدقات
ضائع ہو جائیں گے) پس اس قسم کا اتفاق (یعنی جو مال اللہ تعالیٰ کی راہ
میں خرچ کیا جائے اور اس میں ریا کاری اور دنیا طلبی مقصود نہ ہو) وہ
فی الحقیقت رضائے الٰہی کے لیئے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا" تم ہرگز
بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی محبوب اور مرغوب چیز خرچ نہ کرو۔

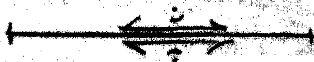
سترہویں فصل

شریعت اور طریقت کے روزے کے بیان میں

روزۂ شریعت یہ ہے کہ دن میں (یعنی صبح صادق سے لے کر شام تک) کھانے، پینے اور جماع سے پرہیز کیا جائے اور روزۂ طریقت یہ ہے کہ انسان ظاہر و باطن میں اپنے اعضاء کو شب و روز محرمات اور مناہی (یعنی شریعت میں جو باتیں حرام اور ممنوع ہیں) اور دیگر برائیوں مثلاً تکبر وغیرہ سے باز رکھے۔ اگر وہ مذکورہ افعالِ ذمیمہ میں سے کسی ایک گناہ کا مرتکب ہو گا تو اس کا روزۂ طریقت باطل ہو جائے گا۔ شریعت میں جو روزہ فرض ہے اس کا وقت معین ہے اور روزۂ طریقت دائمی تمام عمر کے لیے ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد عالی ہے "بہت سے روزے دار ایسے ہیں کہ ان کو اپنے روزے سے سوائے بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں (یعنی ان کے ذمے سے فرض ساقط ہو جاتا ہے لیکن روزے کا ثواب نہیں ملتا) اسی واسطے کہا گیا ہے کہ کتنے ہی روزے دار ہیں جو افطار کرنے والے ہیں اور کتنے ہی افطار کرنے والے ہیں۔ جو روزے دار ہیں یعنی اپنے اعضاء کو برائیوں نیز لوگوں کو ایذا پہنچانے سے باز رکھتے ہیں (یعنی کتنے ہی روزے دار ہیں جو کھانے پینے سے پرہیز رکھتے ہیں لیکن برائیوں سے باز نہیں آتے، ان کے روزوں کا کوئی ثواب نہیں۔ حقیقتاً روزے دار وہی ہیں جو بُرے کاموں سے بچتے ہیں اور کسی کو اذیت نہیں پہنچاتے) جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "روزہ میرے لیے ہے۔

اور میں اُس کی جزادوں گا۔"

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد عالی ہے" روزہ دار کیلئے دو فرحتیں (خوشیاں) ہیں ایک خوشی بوقت افطار اور دوسری خوشی بوقت جمالِ باری تعالیٰ" اہل شریعت نے افطار سے مراد سورج غروب ہونے کے وقت کھانے سے اور رویت سے مراد رویت ہلال عید لی ہے اور اہل طریقت نے فرمایا ہے کہ افطار سے مراد جنت میں داخل ہونے کے وقت اس کے نعمت سے روزہ افطار کرنا ہے یعنی اس کی نعمت کا مزہ چکھنا ہے اور رویت سے مراد قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے جمال پاک کا نظارہ اس آنکھ سے کرنا ہے جو مقام سِر میں ہے اور روزۂ حقیقت سے مراد دل کا ماسوی اللہ کو ترک کرنا اور سِر کا غیراللہ کے مشاہدہ کی محبت سے پاک ہونا ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" انسان میرا سِر ہے اور میں اُس کا سِر ہوں"۔ پس سِر جو اللہ تعالیٰ کے نور سے ہے اس کا میلان کسی غیراللہ کی طرف نہیں ہوتا ہے جیسا کہ مثل مشہور ہے اَلْجِنْسُ یَمِیْلُ اِلٰی جِنْسِہٖ اس کے لیے دنیا و آخرت میں سوائے ذات باری کے کوئی محبوب، مرغوب اور مطلوب نہیں ہے۔ اگر غیراللہ کی محبت میں مبتلا ہوجائے تو روزۂ حقیقت فاسد ہوجاتا ہے اس روزے کی قضا یہ ہے کہ دُنیا اور آخرت میں اُسی ذات باری تعالیٰ کی محبت اور شوق کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے" روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزادوں گا۔



اٹھارہویں فصل

شریعت اور طریقت کے حج کے بیان میں

حج شریعت یہ ہے کہ شرائط و فرائض کے ساتھ حج بیت اللہ کیا جائے حتیٰ کہ حج کا ثواب حاصل ہو جائے۔ اگر شرائط کی ادائیگی میں کوئی نقص واقع ہو جائے تو ثواب حج میں کمی ہو جاتی ہے اور حج فاسد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہمیں حج کو (بلا سستی اور نقصان) کامل کرنے کا حکم دیا ہے۔ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰہِ (اور حج اور عمرہ اللہ تعالیٰ کیلئے پورا کرو) اس حج کی شرائط یہ ہیں:۔

(۱) احرام باندھنا (۲) مکہ معظمہ میں داخلہ (۳) طواف قدوم (یعنی مسجد حرام میں داخل ہونے کے وقت کا طواف) (۴) عرفہ میں وقوف (۵) مزدلفہ میں رات گذارنا (۶) منیٰ میں قربانی کرنا (۷) بیت الحرام میں داخلہ (۸) طواف کعبہ، خانہ کعبہ کے گرد سات چکر لگانا (۹) آب زمزم پینا (۱۰) مقام (سیدنا) ابراہیم خلیل اللہ پر دو رکعت واجب الطواف پڑھنا (ان شرائط کے ساتھ حج سے فارغ ہونے کے بعد) وہ باتیں حلال ہو جاتی ہیں جن کا احرام کی حالت میں کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے (اس حج کی جزا دوزخ سے رہائی اور اللہ تعالیٰ کے قہر سے امان پانا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے" جو حرم میں داخل ہوا امان میں ہوا" سب سے اخیر طواف صدر (یعنی بیت اللہ شریف سے رخصت ہوتے کے وقت کا طواف جس کو طواف رخصت بھی کہتے ہیں) اور پھر وطن کو مراجعت۔

بیانِ حجِ طریقت :- اس حج کیلئے زادِ راہ اور سواری یعنی سامانِ سفر یہ ہے کہ سب سے پہلے کسی صاحبِ تلقین (یعنی مرشدِ کامل) سے نسبت پیدا کرکے اس سے تلقین (تعلیمِ سلوک) حاصل کرے پھر زبان کے ساتھ دائمی ذکر کرے اور اسکی حقیقت اور مقصد کو مدِنظر رکھے۔ (یعنی ذکر کے ساتھ فکر بھی شامل ہو) اور ذکر سے مُراد کلمہ توحید لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا زبانی ذکر ہے۔ اس کے بعد جب دل زندہ ہو جائے تو باطنی ذکرِ الٰہی میں مشغول ہو حتیٰ کہ پہلے صفاتی اسماء کے دائمی ذکر سے تصفیہ باطن کرے تاکہ کعبہ سِرّ اللہ تعالیٰ کے جمالِ صفاتی کے انوار کے ساتھ ظاہر ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سیّدنا ابراہیم و سیّدنا اسمٰعیل علیہم السلام کو حکم دیا کہ "میرا گھر خوب ستھرا کرو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں کے لئے" ظاہری کعبہ کا صاف و ستھرا کرنا مخلوقات میں سے ان لوگوں کیلئے ہے جو طواف کرنے والے ہیں اور باطنی کعبہ کی صفائی خالق کے قرب کیلئے ہے۔ اس ذاتِ پاک کا جلوہ دیکھنے کے لئے بہترین اور نہایت موزوں طریقۂ تطہیر یہ ہے کہ کعبہ باطن کو ماسویٰ اللہ سے پاک و صاف کیا جائے۔ بعدہٗ جس طرح حجِ شریعت کیلئے احرام باندھتے ہیں اسی طرح حجِ طریقت کا احرام روحِ قدسی کے نور سے ہے۔ پھر کعبۂ قلب میں داخلہ۔ اس کے بعد طوافِ قدوم اسمِ ثانی یعنی "اسم اللہ" کا دائمی ذکر ہے۔ پھر عرفاتِ قلب (جو موضعِ مناجات ہے) کی طرف روانگی اور اس میں وقوف اس طریقہ سے کہ تیسرا اسم یعنی "ھُو" اور چوتھا اسم یعنی "حق" کا ذکر بالالتزام کیا جائے۔ پھر مزدلفہ میں آئے جس سے مُراد فؤاد (یعنی باطنی دل) ہے اور پانچویں و چھٹے ہر دو

اسماء یعنی "حیٌّ اور قیّوم" کو جمع کرے۔ پھر منیٰ مقام سِرّ کی طرف متوجہ ہو جو مابین حرمین اور ان دونوں کے مابین وقوف کرے پھر ساتویں اسم "قہّارٌ" کے دائمی ذکر سے نفس مطمئنہ کی قربانی کرے کیونکہ یہ اسم باعث فنا اور حجاب کفر کو دور کرنے والا ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے "کفر اور ایمان عرش کے ورے دو مقام ہیں جو بندے اور اس کے پروردگار عزّ و شانہٗ کے درمیان حجاب ہیں ایک ان میں سے سیاہ ہے اور دوسرا سفید"۔ نفس مطمئنہ کی قربانی کے بعد حلق یعنی سر منڈانے کا عمل ہے۔ حج طریقت میں اس سے مراد روحِ قدسی (روح الہیٰ) کو آٹھویں اسم کے دائمی ذکر کے ساتھ صفاتِ بشری سے پاک وصاف کرنا ہے۔ اس کے بعد نویں اسم کو لازم پکڑے اور حرمِ سِرّ میں داخل ہو۔ پھر اس مقام میں رسائی حاصل کرے جہاں اعتکاف والوں کو اپنی بصیرت سے دیکھے اور دسویں اسم کے دائمی ذکر کے ساتھ مقامِ قرب و انس میں اعتکاف کرے پھر بلا کیفیت و تشبیہ اس بے نیاز پاک اور بلند شان والے پروردگار کے جمال کا نظارہ کرے۔ اس کے بعد اسماء الاصول سے گیارھواں اسم اور چھ اسماء فروعات (یعنی جملہ سات اسماء) کو لازم پکڑ لے اور ان کے دائمی ذکر سے حج طریقت کا وہ طواف مکمل ہو گیا جو بمنزلہ اس طواف کے ہے جو حج شریعت میں خانہ کعبہ کے گرد سات چکر لگانے سے ادا ہوتا ہے۔ پھر مقام قرب میں بارھویں اسم کے پیالے سے بدست قدرت شراب (طہور) پیتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اور ان کو ان کے پروردگار نے پاکیزہ شراب پلائی"۔ اس کے بعد حجاب (دوئی) اٹھ جاتا ہے

تو اس ذاتِ غیر فانی کو (جو تشبیہ سے پاک ہے) اسی کے نور کے واسطے سے بے حجابانہ دیکھتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا معنی ہے جو حدیث قدسی میں فرمایا "اہل قرب کو وہ بات حاصل ہوتی ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی اور نہ کسی کان نے سنی اور نہ ہی اس کا خیال کسی بشر کے دل میں آیا" یعنی اللہ تعالیٰ کا کلام بلا واسطہ حرف اور آواز (کسی بشر کے دل میں اس کا خیال بھی نہیں گذرا) سے مراد ذوق دیدار الٰہی اور خطاب ہے اسماء توحید کے تکرار سے برائیاں نیکیوں سے بدل جاتی ہیں۔ پھر جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا وہ حلال ہو جاتی ہے (جس طرح حج شریعت سے فارغ ہونے کے بعد وہ باتیں حلال ہو جاتی ہیں جن کا احرام کی حالت میں کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا) جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "جو توبہ کرے، اور ایمان لائے اور اچھا عمل کرے تو ایسوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دے گا" پھر تعریفات نفسانیہ آزاد ہو کر خوف وغم سے امان مل جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "(سن لو)! اولیاء اللہ پر کوئی خوف ہے اور نہ کوئی غم" اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور جود وکرم سے ہمارے اور آپ کے نصیبے میں بھی کرے اس کے بعد طواف صدر (حج شریعت میں بیت اللہ سے رخصت ہونے کے وقت جو آخری طواف کیا جاتا ہے اسکو طواف صدر کہتے ہیں) یہ مقام جملہ اسماء کے تکرار (یعنی بار بار دہرانے) سے حاصل ہوتا ہے پھر (حج شریعت کی طرح) اصلی وطن کی طرف مراجعت ہے جو عالم قدس اور عالم احسن التقویم میں ہے۔ یہ مقام بارہویں اسم (جس کا تعلق عالم یقین کے ساتھ ہے) کے دائمی ذکر سے حاصل ہوتا ہے۔ تاویلاتِ مذکورہ تو دائرہ زبان اور

عقل کے اندر ہیں (یعنی زبان سے اظہار بھی کر سکتے ہیں اور عقل میں بھی آ سکتی ہیں) لیکن جو معاملہ اس سے آگے ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ اِن کے متعلق مطلع کرنا ناممکن ہے کیونکہ وہ عقل و فہم سے بالا ہے۔ حوصلے اسکی گنجائش نہیں رکھتے اور مخازن میں اس کی سمائی نہیں۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے "بلاشبہ علوم میں سے ایک علم ایسا ہے جو بہ ہیئت مکنون ہے۔ (یعنی پوشیدہ ہے) اس سے مراد علم باطنی ہے) جسکو علماء ربّانی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جب وہ اس کے ساتھ کلام کرتے ہیں تو اہل عزت (یعنی اہل ایمان) اس کا انکار نہیں کرتے۔ عارف علم کی تہہ کو پہنچتا ہے (یعنی حقیقت علم کو پہنچتا ہے اور اصل مطلب پالیتا ہے) اس کا کلام اس کے حال کے مطابق ہوتا ہے اور عالم کو صرف سطحی علم حاصل ہوتا ہے (یعنی علم کی کنہ اور مقصد کو نہیں پہنچا) لہذا وہ اپنے علم کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔ عارف کا علم اللہ تعالیٰ کا راز ہے جسکو اس کا غیر نہیں جانتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اور وہ نہیں پاتے اس کے علم سے مگر جتنا وہ چاہے" یعنی وہ انبیاء اور اولیاء ہیں جن کو اپنے علم کے ساتھ نوازتا ہے" بلاشک اللہ تعالیٰ بھید کو جانتا ہے اور اس کو بھی جانتا ہے جو اس سے زیادہ پوشیدہ ہے۔ اِس کے سِوا کوئی معبود نہیں۔ اِسی کے اچھے نام اور وہی بہتر جاننے والا ہے۔

انیسویں فصل

وجد اور صفائی کے بیان میں

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اُن کے بال کھڑے ہو جاتے ہیں" ان کے بدن پر جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں پھر یادِ خدا کی رغبت میں ان کی کھالیں

اور دل نرم پڑ جاتے ہیں"۔ نیز فرمایا "کیا وہ جس کا سینہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کیلئے کھول دیا تو وہ اپنے رب کی طرف سے نور پر ہے۔ اس جیسا ہو جائے گا۔ جو سنگدل ہے؟ پس خرابی ہے ان کے لئے جن کے دل یاد خدا کی طرف سے سخت ہو گئے ہیں" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا "جذبات حقانی سے ایک جذبہ دونوں جہان کے عمل کے برابر ہے"۔ نیز فرمایا "جس کو وجد (یعنی غلبۂ ذوق وشوق) حاصل نہیں اس کی زندگی کالعدم ہے"۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا "وجد جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل میں دخل پاتا ہے تو موجب خوشی یا غم ہوتا ہے" وجد دو قسم کا ہے (۱) جسمانی اور (۲) روحانی۔ جسمانی وجد نفسانی ہے۔ اور یہ قوت جسمانی کے ساتھ ہے۔ اس میں روحانی غلبۂ ذوق وشوق کو مطلقاً دخل نہیں۔ محض لوگوں کو دکھانے سنانے اور شہرت پیدا کرنے کے لیئے ہے اس قسم کا وجد بالکل باطل ہے کیونکہ اس کا اختیار کرنا غیر مغلوب اور غیر مسلوب ہے (اختیاری وجد میں نہ تو جذبۂ ذوق وشوق کا غلبہ ہوتا ہے اور نہ ہی اختیار سلب کیا جاتا ہے) اس قسم کے وجد کی موافقت ناجائز ہے۔ وجد روحانی ایک جذبہ یا جوشِ دل ہے جو قرارت قرآن مجید پسندیدہ اور خوش آوازی شعر موزوں یا ذکرِ موثر سننے سے پیدا ہوتا ہے اور اس جذبے کے اندر ایسی قوت ہوتی ہے جو روحانیت کو تقویت پہنچاتی ہے۔ جسم میں قوت اور اختیار باقی نہیں رہتے یہ وجد رحمانی ہے۔ اس کی موافقت مستحب ہے اور اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں اشارہ فرمایا ہے۔ "پس خوشخبری دیجئے میرے اُن بندوں کو جو کان لگا کر بات سُنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں"۔ اور اسی طرح عُشاق اور پرندوں کی (دلکش) صدائیں خوش الحانی اور پُرمعانی آوازیں قوتِ روحانی کا موجب ہیں۔ اس قسم کے وجد میں نفس اور شیطان کو دخل

نہیں ہے۔ شیطان صرف ظلماتی نفسانیت کے اندر تصرف کر سکتا ہے۔ رحمانی نورانیت میں اس کو تصرف حاصل نہیں کیونکہ اس نورانیت میں شیطان (پانی میں نمک کی طرح) پگھل جاتا ہے۔ جس طرح کلمہ حوقلہ یعنی لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ہ سے پگھل جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے "تلاوت آیات قرآنیہ، اشعار حکمت، محبت اور عشق اور نغم آوازوں میں روح کے لئے قوت نورانیہ ہے۔ پس لازماً نور (مذکورہ نورانیہ) روح سے ملتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "ستھریاں ستھروں کے لئے ہیں"۔ جب وجد شیطانی اور نفسانی ہوتا ہے۔ اس میں نورانیت نہیں ہوتی بلکہ تاریکی، کفر اور گمراہی ہوتی ہے۔ پس ظلمت (تاریکی) نفس سے ملتی ہے تو اتصال ہم جنس سے نفس کو تقویت پہنچتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "گندیاں گندوں کیلئے ہیں" لیکن اس میں روحانی غذا مفقود ہوتی ہے۔ پھر وجد روحانی میں دو قسم کی حرکات پائی جاتی ہیں (۱) نوع اختیاری (۲) نوع اضطراری۔ اختیاری قسم کی حرکات اس شخص کی حرکات کے مانند ہیں جس کے وجود میں نہ تو کسی رنج والم اور دکھ درد کے آثار پائے جائیں اور نہ وہ کسی بیماری میں مبتلا ہو تو یہ جملہ حرکات خلاف شرع ہیں اور جو حرکات اضطراری ہیں ان کا حاصل ہونا کسی اور سبب سے ہے مثل روحانی قوت کے نفس ان کے پیدا کرنے پر قادر نہیں۔ کیونکہ یہ حرکات (اضطراری) جسمانی حرکات پر غالب ہیں۔ جس طرح یہ حالت بخار جب حرکات غلبہ پا لیتے ہیں تو انسان ان کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اُس وقت وہ حرکات اس کے اختیار سے باہر ہوتی ہیں۔ پس جب روحانی حرکات غالب آجاتی ہیں تو وجد حقیقی اور روحانی ہوتا ہے۔ وجد اور سماع دو آلے ہیں جو عاشقوں اور عارفوں کے دلی جذبات کو متحرک کرتے ہیں اور

وہ دونوں اہل محبت کی غذا اور طالبانِ (حق) کو قوت بخشنے والے ہیں۔
حضور نبی کریمؐ رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ارشاد عالی ہے" سماع ایک گروہ کیلئے فرض ہے اور ایک جماعت کیلئے سنّت اور ایک فریق کیلئے بدعت ہے"۔ پس خواص کیلئے فرض، اہل محبّت کیلئے سنّت اور غافلوں کیلئے بدعت ہے۔ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" جو شخص سماع اور اسکے اشعار، موسم بہار اور اس کے شگوفے، عود (مشہور سازِ موسیقی ہے) اور اس کے تاروں (یعنی نغموں) سے جنبش میں نہیں آتا وہ فاسدالمزاج ہے۔ وہ گدھے اور جانوروں سے کیا بلکہ تمام حیوان سے کمتر ہے کیونکہ جملہ وحوش و طیور نغمات اور موزوں اشعار سے متاثر ہوجاتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ پرندے حضرت سیّدنا داؤد علیہ السلام کی (خوش اور سُریلی) آواز سننے کیلئے ان کے سر کے اوپر قطار در قطار جمع ہوجاتے تھے۔ چنانچہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد عالی ہے" جسے وجد نصیب نہیں اُسے دین بھی حاصل نہیں"۔ وجد ذیل وجوہات پر مبنی ہے ان میں سے کوئی تو جلی (یعنی ظاہر) ہے اِس کا اثر بذریعہ حرکات ظاہر ہے اس کا اثر بذریعہ حرکات ظاہر ہوتا ہے اور کوئی خفی (پوشیدہ) اس کا اثر وجود سے ظاہر نہیں ہوتا مثلاً دلی توجہ سے ذکرِ الٰہی کرنا اور قرآنِ مجید پڑھنا، رونا اور الم پانا (یعنی درد دل پانا) خوف اور غم میں مبتلا ہونا اور انہیں وجوہات سے ہے بوقتِ ذکرِ الٰہی افسوس اور حیرانی کا لاحق ہونا، حسرت اور ندامت کا پیدا ہونا، ظاہر و باطن میں تغیر ہونا، رضائے الٰہی کی طلب اور جذبۂ شوق نیز حدّت یا طپش، بیماری اور پسینہ کا جاری ہونا۔

بیسویں فصل

خلوت اور گوشہ نشینی کے بیان میں

خلوت دو قسم کی ہے ظاہری اور باطنی۔ خلوت ظاہری یہ ہے کہ انسان نفسانی خواہشات کو ترک کرنے کے لیئے اپنے نفس اور وجود کو لوگوں سے علیحدہ رکھے (یعنی گوشہ نشینی اختیار کرے اور اہل دنیا سے میل جول نہ رکھے) تاکہ لوگ بری عادات اور اخلاق ذمیمہ کے باعث اسکی ایذا رسانی سے محفوظ رہیں اور حواس ظاہری نفسانی کو بند کرے تاکہ خلوص نیت، ارادۂ موت اور دخول قبر کے تصورات سے حواس باطنی کھل جائیں (یعنی اس خلوت نشینی میں اپنی نیت کو ریا وغیرہ سے صاف رکھے موت کا دھیان ہر وقت پیش نظر رہے۔ گوشہ نشینی اختیار کرنے میں اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی مطلوب ہو اور ایمانداروں اور مسلمانوں کو اپنے نفس کے شر سے بچانا مقصود ہو۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے" انسان کی سلامتی زبان کی طرف سے ہے اور ملامت بھی زبان کی جانب سے ہے"۔ اور اپنی آنکھوں کو خیانت اور نظر حرام سے باز رکھے اور اسی طرح اپنے پاؤں اور کانوں کو۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے "دونوں آنکھیں زنا کا ارتکاب کرتی ہیں" الخ اور اس زنا کا حاصل ایک سیاہ فام غلام قبیح صورت انسان ہے جو قیامت کے دن اس کے ساتھ کھڑا ہو گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کے خلاف گواہی دے گا اور اپنے مالک کو پکڑے گا اور اس کو دوزخ میں عذاب دے گا۔ پس جب انسان اس گناہ سے توبہ کرے اور اپنے نفس کو روکے تو اس (بدشکل شخص) کی صورت

غلمانِ جنّت کے ایک بے ریش حسین لڑکے کی صورت سے بدلی جاتی ہے تو وہ (توبہ کرنے والا) اس کی شرارت سے نجات پا جاتا ہے۔ خلوت گناہوں سے محفوظ رہنے کیلئے بمنزلہ ایک قلعہ ہے۔ (جب انسان گناہوں سے بچ جاتا ہے) تو اس کا نیک عمل باقی رہ جاتا ہے اور وہ نیکو کار ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "تو جسے اپنے رب سے ملنے کی اُمید ہو اسے چاہیئے کہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے"۔

خلوت باطنی یہ ہے کہ انسان کا دل نفسانی اور شیطانی تفکرات سے خالی ہو۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے "شہرت اور اس کے اسباب آفات ہیں اور گمنامی اور اس کے بواعث راحت ہیں"۔ اور بُرے اخلاق انسان کی اپنی مرضی اور اختیار سے دل میں نہ آنے پائیں۔ جب اس قسم کی برائیاں خلوت پسند آدمی کے دل میں داخل ہو جائیں تو اس کی خلوت، اس کا دل اور قلب میں جو اعمالِ صالحہ اور نیکوئی سے ہے، تباہ و برباد ہو جاتے ہیں اور دل کو کسی قسم کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "بے شک اللہ تعالیٰ فسادیوں کے عمل کی اصلاح نہیں فرماتا" ہر وہ شخص جس کے دل میں اس قسم کے مفسدات ہوں وہی مفسدوں سے ہے۔ اگرچہ ظاہر میں وہ مصلح صورت نظر آئے۔ چنانچہ احادیث شریفہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا "تکبر اور غرور ایمان کو خراب کرتے ہیں" "غیبت زنا سے بھی سخت ہے" "حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح آگ ایندھن کو" "اللہ تعالیٰ کی اس پر لعنت ہے جو سوتے فتنے کو جگائے"۔ "بخیل عابد ہی کیوں نہ ہو جنت میں داخل نہیں ہوگا"۔ "ریا شرک خفی ہے اور اس کا شرک کفر ہے"۔ "چغلخور جنت میں داخل نہیں ہوگا"۔ اور بُرے اخلاق کے بارے میں ان کے علاوہ اور بہت سی

احادیث آئی ہیں۔ پس یہ مقام احتیاط ہے۔ سلسلہ تصوف میں دل کو برُے اخلاق سے پاک کرنا اور نفس اور اس کی حرص و ہوا کا قلع قمع کرنا مقصود اولین ہے۔ پس جو شخص بالواسطہ خلوت، ریاضت، خاموشی اور دلی توجہ سے دائمی ذکر، محبت، توبہ، اخلاص، صحیح روشن اعتقاد اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے سلف صالحین کے قدم بقدم چل کر نیز مشائخ تابعین اور علماء عاملین کی اتباع کرتے ہوئے اپنے نفس اور دل کی اصلاح کر لیتا ہے اور بحیثیت مومن جب وہ توبہ و تلقین اور مذکورہ شرائط کے ساتھ گوشہ نشینی اختیار کرتا ہے تو اس کا علم و عمل اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے خالص ہو جاتا ہے۔ اس کا دل روشن، جلد نرم اور اس کی زبان پاک ہو جاتی ہے۔ اس کے ظاہری اور باطنی حواس جمع کر دیئے جاتے ہیں اور اس کے عمل صالح کو اللہ تعالیٰ رفعت قبول عطا فرماتا ہے اور اس کی دُعا سنتا ہے۔ جیسا کہ کلام پاک میں فرمایا "اسی کی طرف چڑھتا ہے پاکیزہ کلام اور جو نیک کام ہے وہ اسے بلند کرتا ہے اور کَلِمُ الطَّیِّبُ (یعنی پاکیزہ کلمات اور الفاظ) سے مُراد یہ ہے کہ جب زبان اللہ تعالیٰ اور اُس کی توحید کے ذکر کا آلہ بن جائے تو انسان کو چاہیئے کہ لغویات سے زبان کی حفاظت کرے یعنی لغو اور بیہودہ باتیں زبان پہ نہ لائے اور جیسا کہ آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "بے شک وہ ایمان والے فلاح پا گئے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں اور جو بیہودہ بات سے اعراض کرتے ہیں" پس اللہ تعالیٰ علم و عمل کو رفعتِ قبولیت عطا فرماتا ہے اور عامل کو انعام، ثواب، بخشش و خوشنودی اپنی رحمت، قرب اور درجات سے سرفراز فرماتا ہے۔ جب گوشہ نشین کو یہ مراتب حاصل ہو جاتے ہیں تو اس کا دل سمندر کی مانند ہو جاتا ہے۔ دوسروں کی ایذا رسانی سے متغیر نہیں ہوتا۔ جیسا کہ

ارشادِ مبارک حضور رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ "تو سمندر ہوجا تغیر سے محفوظ ہو جائے گا"۔ نفسانی جنگلات اور خشک زمینیں اس میں فنا ہو جاتی ہیں (برّی بحری کی ضد ہے) جس طرح فرعون اور اس کی آل سمندر میں غرق ہوگئے۔ پھر اس میں شریعت کی کشتی سلامتی کے ساتھ رواں ہو جاتی ہے اور روحِ قدسی اس سمندر کی تہ میں غوطہ لگا کر گوہرِ حقیقت تک پہنچ جاتی ہے اور معرفت کے موتی اور لطائف کے مونگے نکال لاتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے "اور ان دو سمندروں سے موتی اور مونگے نکلتے ہیں"۔ یہ سمندر اس شخص ہی کو حاصل ہوا۔ جس نے ہر دو ظاہری اور باطنی سمندروں کو جمع کیا۔ اس کے بعد دل کے سمندر میں کسی قسم کا طوفان فساد برپا نہیں ہوتا اور اُس (خلوت نشین) کی توبۂ خالص اس کا علم نفع رساں اور عمل نیک ہو جاتا ہے۔ اور وہ عمداً منا ہی (خلافِ شریعت کاموں) کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ اگر اس سے کوئی بھول چوک ہو بھی جائے تو استغفار، توبہ اور یقین سے اس کی معافی ہو جاتی ہے۔

اکیسویں فصل

خلوت کے اوراد کے بیان میں

خلوت گزیں کو چاہیئے کہ جب گوشۂ تنہائی میں بیٹھے اگر طاقت رکھتا ہو تو روزہ رکھے اور پانچوں نمازیں اپنے وقت پر لوگوں کے ساتھ باجماعت ادا کرے اور سنتیں اور شرائط وارکانِ نماز اطمینانِ قلب سے آہستہ آہستہ ٹھیک طور پر ادا کرے۔ نصف شب کے بعد تہجد کے بارہ ۱۲ رکعت پڑھے۔

ہر دو رکعت کے بعد سلام پھیرے کیونکہ حضور نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالی ہے "نماز شب یعنی تہجد دو دو رکعت کی نیت سے پڑھی جائے" اور اس کے بعد تین رکعت نماز وتر کی ادا کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھو ساتھ قرآن کے۔ یہ خاص آپ کیلئے زیادہ ہے۔ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے "ان کی کروٹیں بستروں سے جدا ہوتی ہیں"۔ سورج نکلنے کے بعد دو رکعت نماز اشراق پڑھے اس کے بعد دو رکعت نماز بہ نیت استعاذہ ادا کرے (استعاذہ کے معنی پناہ مانگنا) پہلی رکعت میں سورۂ فلق اور دوسری رکعت میں سورۂ ناس پڑھے۔ بعدہ دو رکعت بہ نیت استخارہ پڑھے۔ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ ایک بار آیۃ الکرسی ایک بار اور سورہ اخلاص سات بار پڑھے اور چھ رکعتیں صلوٰۃ ضحیٰ (نماز چاشت) ادا کرے' ان میں اپنی مرضی کے مطابق آیات اور سورتیں پڑھے اس کے بعد دو رکعت بہ نیت کفارہ بول (پیشاب) ادا کرے ہر ایک رکعت میں ایک بار سورۂ فاتحہ اور سات مرتبہ سورہ کوثر پڑھے۔ پس یہ کفارۂ بول ہو جائے گا۔ اور عذاب قبر سے رہائی مل جائے گی۔ حضور نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا "پیشاب سے دور رہو کیونکہ عذاب قبر کی علامت اسی سے ہے" اور چار رکعت نماز ادا کرے اگر دن کا وقت ہو۔ (شافعی ہو تو دو دو رکعت فرداً فرداً پڑھے) اسے صلوٰۃ التسبیح کہتے ہیں۔ نیت اس طرح کرے "اللہ تعالیٰ کے لیے میں نے چار رکعت صلوٰۃ التسبیح کی نیت کی منہ طرف کعبہ شریف کے" پھر تکبیر تحریمہ کہے (اور ہاتھ باندھ لے) سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ...... (الخ) پڑھ کر پندرہ (15) مرتبہ "سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ" پڑھے (بعض

روایتوں میں مزید ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العظیم بھی پڑھنے کی تاکید آئی ہے) پھر سورہ فاتحہ اور ضم سورہ مثل سورہ بقر کی آخری یا ان کے علاوہ کوئی اور آیات پڑھ کر دس بار سبحان اللہ والحمد للہ....الخ پڑھے رکوع میں جا کر رکوع کی تسبیح پڑھے اور دس بار سبحان اللہ والحمد للہ.....الخ تک پڑھے۔ پھر کھڑے ہو کر دس بار یہی تسبیح پڑھ کر سجدے میں جائے اور سجدے کی تسبیح کے بعد یہی تسبیح دس بار پڑھے۔ پہلا سجدہ کرنے کے بعد قاعدہ اولیٰ میں دس مرتبہ یہی تسبیح پڑھے و بعدہ دوسرا سجدہ کرے اور دوسرے سجدے میں بھی بعد تسبیح سجدہ یہی تسبیح دس بار پڑھے اور پھر قیام کرے۔ پہلی رکعت کی ترتیب کے مطابق دوسری رکعت میں بھی تسبیحات کہتے ہوئے قعدہ ثانی میں بیٹھے اور تشہد پڑھ کر قیام کرے اسی طرح تیسری اور چوتھی رکعت ادا کرے پس ہر رکعت میں پچھتر دو رکعت میں ایک سو پچاس اور چار رکعتوں میں تین سو تسبیحات ہوں گی گوشہ نشین کے لیئے واجب ہے کہ اول تو ایک بار روزانہ یہ نماز پڑھے اگر ہر روز نہ پڑھ سکے تو ہر جمعہ ایک بار ضرور پڑھے۔ یہ بھی نہ پڑھ سکے تو ایک ماہ میں ایک بار۔ اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو سال میں ایک بار اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو اپنی عمر میں ایک بار ضرور پڑھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے چچا حضرت سیدنا عباس رضی اللہ عنہ وارضاہ کو فرمایا" جو صلوٰۃ التسبیح پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہ بخش دے گا اگرچہ اس کے گناہوں کا شمار ریت کے ذرات آسمان کے ستاروں اور روئے زمین پر تمام چیونٹیوں کی تعداد سے بڑھ کر ہو۔ سالک کیلئے ضروری ہے کہ دن میں ایک یا دو بار دعائے سیفی پڑھے اور قرآن مجید سے قریباً دو صد آیات روزانہ

تلاوت کرے۔ اس کے بعد بکثرت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے۔ اگر ذکر جہر کا اہل ہو تو ذکرِ جہر اور اگر ذکرِ خفی کی اہلیت رکھتا ہو تو ذکرِ خفی کرے۔ اخفا کا مقام دل زندہ ہونے کے بعد ہے اور ذکرِ خفیہ زبان سر سے ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے" اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت فرمائی"۔ یعنی جس طرح تمہارے مراتبِ ذکر کی توضیح فرمائی۔ پھر ہر مقام میں اسم اور آداب ہیں جس کو اس کے اہل ہی جانتے اور پہچانتے ہیں۔ ہر روز سو مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے اور سو مرتبہ درود شریف پڑھے اور سو مرتبہ یہ وظیفہ پڑھے۔" اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ مِمَّا اَسْرَرْتُ وَمَا اَسْرَنْتُ وَمَا اَنْتَ اَعْلَمُ بِہٖ مِنِّیْ اَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَاَنْتَ الْمُؤَخِّرُ وَاَنْتَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" اگر زیادہ نوافل اور تلاوت قرآنِ پاک کی توفیق وہمت ہو تو زیادہ کرے۔

بائیسویں فصل

خواب اور اونگھ میں پیش آنے والے واقعات کے بیان میں

خواب اور اونگھ میں قابلِ اعتبار واقعات برحق اور مفید مطلب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے" اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا خواب سچا کر دیا۔ بے شک تم ضرور مسجد حرام میں امن وامان سے داخل ہو گئے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بزبانِ حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام یہ کلمات فرمائے" بے شک میں نے

گیارہ ستارے اور سورج چاند دیکھے انھیں اپنے لیے سجدہ کرتے دیکھا"
اور جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد عالی ہے" ہمارے بعد
آثار نبوت سے کچھ باقی نہیں رہا مگر مبشرات یعنی خوش خبری دینے
والے اچھے خواب باقی رہیں گے"۔ جو مومن دیکھتا ہے یا اس کے لیے
دیکھے جاتے ہیں۔ اس بات کی دلیل اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔ "ان کیلئے خوشخبری
ہے دُنیا کی زندگی اور آخرت میں"۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد
فرمایا" جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے حقیقتاً مجھے ہی دیکھا کیوں کہ
شیطان میری اور اس شخص کی شبیہ اختیار نہیں کر سکتا جس نے بالواسطہ
نور شریعت، طریقت اور معرفت اور نورِ حقیقت و بصیرت میں میری
اتباع کی"۔ جیسا کہ کلام پاک میں آیا ہے" میں اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتا ہوں
اور میرے قدم بقدم چلنے والے دل کی آنکھیں رکھتے ہیں" شیطان بصورت
اُن جملہ انوارِ مذکورہ خواب میں نہیں آسکتا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کی ذاتِ اقدس کے علاوہ کسی اور ایسی صورت میں بھی نہیں آسکتا جو
مظہر رحمت و شفقت اور لطف و ہدایت ہو مثلاً بصورت جملہ انبیاء علیہم السلام
اولیاء کرام، ملائکہ، کعبہ، سورج اور چاند، سفید بادل، قرآن مجید وغیرہ وغیرہ
کیونکہ شیطان مظہر قہر ہے لہٰذا بصفات اضلال (گمراہی) ہی ظاہر سکتا ہے
جو مظہر صفات رُشد و ہدایت ہے وہ کس طرح مظہر صفات ضلالت
ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہدایت اور ضلالت آگ اور پانی کی طرح ایک دوسرے
کی ضد ہیں یہ ناممکن ہے کہ آگ پانی بن جائے اور پانی آگ میں تبدیل ہو جائے
جبکہ دونوں کے درمیان فرق عظیم تضاد اور بعید فاصلہ ہے۔ حق و باطل
میں فرق کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ

(اسی طرح اللہ تعالیٰ حق اور باطل کی مثال بتاتا ہے) شیطان بصورت حق تعالیٰ بن سکتا ہے (یعنی دیکھنے والے کو وسواس میں ڈال سکتا ہے کہ یہ صورت حق تعالیٰ سُبحانہٗ کی ہے) اور دعویٰ ربوبیت بھی کر سکتا ہے اسواسطے کہ اللہ تعالیٰ جامع صفات جلالی و جمالی ہے اور شیطان (دھوکہ دینے کیلئے) صفتِ جلالی کے ساتھ بصورت حق تعالیٰ ظاہر ہو سکتا ہے کیونکہ یہ مظہر صفاتِ قہر ہے نیز اس روپ میں اس کا ظاہر ہونا اور دعویٰ ربوبیت کرنا صفاتِ اضلال کے ساتھ مختص ہے جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا۔ ایسی صورت میں ظاہر نہیں ہو سکتا جو جامع تمام صفات ہو کیونکہ اسمیں صفاتِ ہدایت مفقود ہیں (جامع صفات ہدایت و اضلال صرف ذاتِ حق تعالیٰ ہے) اس موضوع پر کافی سے زیادہ بحث و تمحیص ہو سکتی ہے اور اسکی شرح کیلئے ایک دفتر درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پاک عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ میں وارث کامل مُرشد کی طرف اشارہ ہے (حدیث شریف میں ہے "اَلعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ۔ علماء یعنی اولیاء کرام انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں) جو لائقِ ارشاد ہو اور میرے بعد ایک طرح سے میری بصیرت کی مانند اسکو بصیرت باطنی حاصل ہو اور اس سے مراد ولایتِ کاملہ ہے جس کی طرف اللہ عزوجل نے اپنے قول (وَلِیًّا مُّرْشِدًا) میں ارشاد فرمایا ہے۔

پھر جان لے کہ خواب دو طرح کے ہیں آفاقی (عالمِ دُنیا کے متعلق) یا انفسی (عالم ارواح کے متعلق) اور ان دونوں میں سے ہر ایک دو قسم پر مشتمل ہے۔

انفسی بـ اس قسم کے خواب (بلحاظ نیک و بد اخلاق و اعمال) اچھی نوعیت کے ہوتے ہیں یا بُری قسم کے (نیک خواب) مثلاً خواب میں جنت اور اس کی نعمتیں حور و قصور اور غلمان سفید نورانی صحرا سورج چاند اور

ستارے اور ان سے ملتی جلتی اشیاء کا دیکھنا۔ ان سب کا تعلق صفتِ دل سے ہے اور خواب میں پرندوں اور حیوانوں کا گوشت کھانا، اس قسم کے خوابیں نفس مطمئنہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ کیونکہ جنت میں مطمئنہ کی غذا اسی قسم کی ہوگی۔ مثلاً بکری اور پرندوں کا بھنا ہوا گوشت اور جو گائے ہے تو وہ جنت سے حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کے لئے دنیا میں زراعت یعنی کھیتی باڑی کرنے کے لیئے آئی ہے۔ اور اونٹ بھی ظاہری اور باطنی کعبہ کی زینت کے لئے جنت سے آیا ہے' اور گھوڑے جہاد اصغر اور جہاد اکبر کے لیئے یہ سارا سلسلہ آخرت کی بہبودی کے لئے ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بکری جنت کے شہد سے پیدا کی گئی ہے' گائے اس کے زعفران سے' اونٹ اس کے شگوفہ سے اور گھوڑا اس کے خوشبودار پھول سے اور خچر جوادنی صفت مطمئنہ سے ہے اس کو جس نے خواب میں دیکھا تو اسکی تعبیر یہ ہے کہ دیکھنے والا معاملہ عبادت میں سست و کاہل ہے اور اس پر نفسانی ثقالت کا غلبہ ہے (یعنی اس کا نفس بوجھل اور نہایت آرام طلب ہے) اور اس کے اعمال کا ماحصل کچھ بھی نہیں۔ ہاں اگر توبہ کرے اور نیک عمل کرے تو اس کا بدلہ بھلائی ہے اور گدھا جنت کے پتھروں سے حضرت سیدنا آدم علیہ السلام اور اس کی اولاد کی بہتری کے لئے پیدا کیا گیا ہے تاکہ دنیا میں آخرت کے واسطے نیک عمل کریں اور وہ جو بے ریش خوبصورت نوجوان کا مخاطب ہو کر روح کے ساتھ کلام کرتا ہے۔ اس پر انوار الٰہیہ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ (اسکا اس صورت میں دیکھنا) اس لئے ہے کہ تمام اہل جنت اسی صورت پر ہیں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد عالی ہے۔ "اہل جنت بے ریش نوعمر سرگیں آنکھوں والے ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں نے اپنے

پروردگار کو ایک نوجوان بے ریش کی صورت پر دیکھا"۔ بعض نے کہا کہ اس طرح کی تجلی سے مراد اللہ تعالیٰ کا بصفت ربوبیت آئینہ روح پر تجلی فرمانا ہے اور اسی روح کا نام طفلِ المعانی ہے۔ کیونکہ وجود مربی کے لیئے آئینہ اور اس کے اور پروردگار سبحانہٗ وتعالیٰ کے درمیان وسیلہ ہے۔ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہ نے فرمایا "اگر میرے پروردگار کی تربیت نہ ہوتی تو مجھے اپنے پروردگار کی معرفت حاصل نہ ہوتی"۔ اور اس باطنی مربی کو پانے کا سبب ظاہری مربی (مثل انبیاء علیہم السلام واولیاء اکرام) کی تربیت یعنی تلقین ہے۔ ان کی تربیت کا ماحاصل آخری روح (یعنی روح قدسی) کے ملنے سے قوالب (وجود) اور قلوب (دل) منور اور روشن ہوجاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے روح یعنی وحی ڈالتا ہے" اس روح کو حاصل کرنے کے لیئے (جو حیات کا سبب اور اپنے پروردگار کی معرفت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے) مرشد (شیخ کامل) کی تلاش از بس ضروری ہے۔ پس سمجھو۔ امام غزالی رحمتہ اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے۔ مذکورہ تاویل کی رو سے اللہ تعالیٰ کو خواب میں صورت جمیلہ اخرویہ (یعنی مثالی صورت) ہے۔ جس کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے خواب دیکھنے والے کی قابلیت اور مناسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے پیدا فرماتا ہے نہ کہ حقیقتِ ذاتِ باری تعالیٰ۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات صورتوں سے پاک ہے۔ اسی قیاس پر حضور علیہ الصلواۃ والسلام کی ذات انور کو خواب میں مختلف صورتوں میں دیکھنے والے کی مناسبت کے مطابق دیکھنا جائز ہے اور حقیقتِ محمدیہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو وہی دیکھ سکتا ہے جو حضور علیہ الصلواۃ والسلام کے علم وعمل، حال اور بصیرت اور نماز میں نہ صرف ایک حالت (یعنی ظاہراً) بلکہ ظاہراً اور باطناً (دونوں حالتوں میں) وارثِ کامل ہے

اسی طرح شرح مسلم میں آیا ہے کہ مذکورہ تاویل کے مطابق اللہ تعالیٰ کو بشری اور نورانی صورت میں دیکھنا جائز ہے اور یہ ہر صفات تجلّی کے بارے میں قیاس بھی یہی ہے جیسا کہ حضرت سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے لیئے عذاب کے درخت سے آگ کی صورت میں تجلّی فرمائی اور یہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی کلام سے ہے جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا وَ مَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى (اے موسیٰ (علیہ السلام) آپکے داہنے ہاتھ میں یہ کیا ہے) وہ آگ درحقیقت نور تھا لیکن سیّدنا موسیٰ علیہ السلام کے گمان اور تلاش کے لحاظ سے اس کو آگ سے موسوم کیا گیا کیونکہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام اس وقت آگ کی تلاش میں تھے، جبکہ انسان کسی صورت میں اس درخت سے کم مرتبہ نہیں ہے تو یہ کوئی حیرت انگیز بات نہیں اگر بعد تصفیہ باطن یعنی صفات حیوانیت ترک کر کے اخلاق انسانیت حاصل ہونے کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ حقیقی انسان کی صورت میں اپنی صفات سے کسی صفت میں تجلّی فرمائے جیسا کہ اکثر اولیاء کرام کو اس قسم کی تجلّی سے فیضیاب فرمایا ہے۔

حضرت ابو یزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ نے بوقت تجلّی فرمایا سُبْحَانِيْ مَا اَعْظَمَ شَانِيْ (پاک ہے میری ذات میری شان کتنی بلند ہے) اور حضرت جنید رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا لَيْسَ فِيْ جُبَّتِيْ سِوَى اللّٰهِ تبارک وتعالیٰ (میرے جبّے میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کوئی نہیں ہے) اور اس قسم کے اور بھی اقوال ہیں۔ اس مقام میں اہل تصوف کیلئے عجیب لطیفے ہیں جنکی شرح دراز ہے۔ پھر تربیت کیلئے مناسبت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ چنانچہ مبتدی جو ابتدائی مرحلہ میں ہے اس کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین کسی قسم کی

مناسبت (باہمی نسبت نہیں) اور نہ ہی اُسے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ باہمی لگاؤ ہے۔ اس کیلئے نہایت ضروری ہے کہ سب سے پہلے ولی۔ (مرشد کامل) اسکی تربیت کرے۔ کیونکہ ان دونوں کے مابین از روئے بشریت باہمی نسبت ہے۔ جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں مناسبت کی غرض سے جامۂ بشریت میں جلوہ گر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات میں آپ کے سوا کسی دوسرے کی تلقین و تربیت کی ضرورت نہ تھی آپ کے وصال پاک کے بعد وہ ظاہری مناسبت اور تعلق کا سلسلہ منقطع ہو گیا اور دنیا کو ترک کر کے آپ خالص تنہائی کے مقام میں جلوہ فرما ہوئے اسی طرح اولیاء اللہ کا تعلق عالم عقبیٰ کے ساتھ ہو جاتا ہے تو ان میں سے (کوئی بھی) کسی کو مقصود تک پہنچانے کے لیئے ارشاد و تلقین نہیں کرتا۔

{(نوٹ:- کوئی ناقص العقیدہ کم فہم شخص اس عبارت کا مطالعہ کر کے یوں نہ سمجھ لے کہ مقبولانِ خدا کے روحانی فیوضات کا سلسلہ بالکل ختم ہو جاتا ہے اس عبارت کا مفہوم معقول یہ ہے کہ جس طرح ظاہری حیات میں شیخ کامل اپنے مُرید کو سامنے بٹھا کر تلقین و ارشاد کرتا ہے اس قسم کی جسمانی مناسبت کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے اور وصال اولیاء اللہ کے بعد ان کے روحانی ارشادات اور فیوضات جاری رہتے ہیں۔ چنانچہ اس کتاب کے بائیسویں فصل میں حضور سیدنا و مولانا و مرشدنا غوث الثقلین رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ نے ایک حدیث شریف نقل فرمائی ہے کہ شہنشاہ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں" ہمارے بعد آثار نبوت سے کچھ باقی نہیں رہا سوائے مبشرات کے" یعنی خوش خبری دینے والے اچھے خواب باقی رہیں گے۔ جو مومن دیکھتا ہے یا اس کے لیئے کوئی مسلمان دیکھتا ہے ہونیوالے واقعات کی

اطلاع مومنین کو بذریعہ وحی نہیں بلکہ بذریعہ خواب ہوا کریگی اسی واسطے
دوسری حدیث میں ارشاد فرمایا "جسنے ہمیں خواب میں دیکھا فی الحقیقت
ہمیں ہی دیکھا شیطان میں یہ طاقت نہیں کہ ہماری شبیہہ اختیار کرسکے"۔
دراصل یہ سطور حضور رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا نے مبتدی کے بارے میں قلمبند
فرمائی ہیں جو ابھی مکتب تصوف کی پہلی جماعت میں داخل ہوا ہے۔ چونکہ وہ
روحانیات اور روحانی مدارج سے بالکل ناواقف اور بے بہرہ ہے ایسے
شخص کے لئے ظاہری حیات میں مرشد کامل کی صحبت اور تلقین ازبس
ضروری ہے (ورنہ تلقین اویسیہ کی نفی لازم آئے گی کیونکہ اس طریق میں
ظاہراً مرشد کامل کی ضرورت نہیں رہتی) -]
اگر تو اہل فہم سے ہے تو اس بات کو سمجھ اور اگر نہیں تو بالواسطہ ریاضت
نورانی فہم حاصل کر۔ کیونکہ فہم روشنی سے حاصل ہوتا ہے نہ کی تاریکی سے کیونکہ جس
مقام پر نور آتا ہے وہ مزین اور مشرف ہو جاتا ہے۔ مبتدی ہیں اس کے لئے
مناسب نہیں رہتا۔ یعنی جو ولی اللہ دُنیا سے رحلت فرما جاتا ہے مبتدی کو
اس کے ساتھ باہمی نسبت رہتی) اور جو ولی دنیا میں باحیات ہو تو اسکو
(مبتدی) اس کے ساتھ (جسمانی) مناسبت ہوتی ہے۔ کیونکہ اس ولی کو بسبب
وراثت کاملہ تعلیقیہ (ایک شئے کو دوسری شئے سے متعلق کرنا) اور تجریدیہ
(ایک چیز کو دوسری چیز سے جُدا کرنا) دونوں قسم کے تصرفات حاصل ہوتے ہیں
پس اسکو اس ظاہری حیات میں اعانت جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم سے ایسی ولایت یا حکومت نصیب ہوتی ہے۔ جس کو نسبت عبودیت
نبوی حاصل ہوتی ہے۔ تو وہ امور میں تصرف کرتا ہے اور اعانت کے باعث
خلقت میں اسکو صوفی کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنی دل کو خواہشات؛

کدورتوں اور آلائشوں سے پاک وصاف کر کے خدا کی طرف دھیان لگاتا ہے
پس اس معاملہ کو سمجھ! اس سے آگے ایک ایسا گہرا راز ہے جسکو اس کے
اہل ہی جانتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے" اور عزت تو
اللہ تعالیٰ اس کے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مومنوں کیلئے ہے"۔

اور جو ارواح کی تربیت کا سلسلہ ہے تو روح جسمانی کی تربیت جسم
کے اندر ہوتی ہے۔ روحِ رواتی کی کشمکش قلب میں، روحِ سلطانی کی فواد
(یعنی باطنی دل) میں اور روحِ قدسی کی مقام سر میں اور یہ (یعنی روح قدسی)
بندے اور ذاتِ حق کے درمیان واسطہ اور خلقت کی طرف اللہ تعالیٰ کا
ترجمان ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا اہل اور محرم ہے۔ وہ خواب جو اخلاقِ ذمیمہ
سے ہیں، منسوب بصفتِ نفس امارہ، لوامہ اور نفس ملہمہ ہیں۔ پس جو
درندوں کے قسم کے جانور خواب میں دیکھے جاتے ہیں مثلاً چیتا، شیر، بھیڑیا،
ریچھ، کتا اور خنزیر اور ان کے علاوہ مثلاً خرگوش، لومڑی، بلی، تیندوا، سانپ،
بچھو، بھڑ اور ان کے علاوہ دیگر موذی جانور تو یہ انسان کے اندر بری صفات
اور عادات ہیں (جو روحانی ترقی کے راستے میں حائل ہوتی ہیں) ان کو ترک
کر کے روحانی ترقی کا راستہ صاف کرنا از بس ضروری ہے۔

(خواب میں چیتے کو دیکھنا) غرور اور خود بینی کی صفات سے ہے
اور اللہ تعالیٰ کے مقابل تکبر کرنے کے مترادف ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ
ہے" وہ جنہوں نے ہماری آیات جھٹلائیں اور ان کے مقابل تکبر کیا ان کیلئے
آسمان کے دروازے نہ کھولے جائینگے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں گے
جب تک سوئی کے ناکے اونٹ نہ داخل ہو (جس طرح سوئی کے ناکے میں
اونٹ کا داخل ہونا امر محال ہے اسی طرح کفار کا جنت میں داخل ہونا محال ہے)

اور اسی طرح بدلا دیا جائے گا اس مجرم کو جو لوگوں کے زور و تکبر کرتا ہے۔ (شیر کو خواب میں دیکھنا) مخلوق پر عظمت اور بڑائی کی خاصیت (ریچھ) اپنے محکوم اور زیر دست پر غلبہ اور قہر کا غضب کا خاصہ (بھیڑیا) حرام اور مشتبہ چیزوں کو بلا تمیز کھانے کی صفت (کتا) محبت دنیا اور اسکی خاطر غیض و غضب میں آنے کی صفت (خنزیر) کینہ، حسد اور تحریص شہوات کا خاصہ (خرگوش) دنیوی معاملات میں مکر و حیلہ کی صفت ظاہر کرتے ہیں (لومڑی) کا دیکھنا بھی خرگوش کی طرح ہے۔ البتہ خرگوش میں غفلت کی صفت غالب ہے (تیندوا) زمانہ جاہلیت میں غیرت، حب ریاست اور عزت کی صفت ظاہر کرتا ہے (بلی) سے بخل و نفاق کی خصوصیت (سانپ) کو خواب میں دیکھنے والے میں لوگوں کو زبان سے اذیت پہنچانے کی بری صفت ہے مثلاً گالی گلوچ دینا، غیبت کرنا اور جھوٹ بولنا وغیرہ۔ اس قسم کے درندوں کو خواب میں دیکھنے کی صحیح تعبیر اہل بصیرت ہی خوب جانتے ہیں (بچھو) اشارات سے (مثلاً آنکھ کے اشارے سے) نکتہ چینی، تہمت، عیب جوئی اور چغلخوری کی صفت (بھڑ) کا دیکھنا لوگوں کو زبان سے معمولی ایذا دینے کی صفت ظاہر کرتا ہے جبکہ (سانپ) کا دیکھنا لوگوں کے ساتھ عداوت پر دلالت کرتا ہے۔

جب سالک خواب میں دیکھے کہ وہ ان موذی جانوروں کے ساتھ برسر پیکار ہے اور ان پر غلبہ نہیں پا سکا اس کو سمجھ لینا چاہئیے کہ اس پر اس کی بری صفات اور عادات غالب ہیں) تو اس کو عبادت اور ذکر الٰہی میں انتہائی کوشش کرنی چاہیئے حتیٰ کہ اس کو ان پر غلبہ اور فتح حاصل ہو جائے اور ان کو ہلاک کر دے یا ان میں درندہ پن کی صفت بشری خاصیت سے بدل دے۔

کیونکہ ان پر پورا غلبہ اور ان کی مکمل تباہی گویا برائیوں کا مکمل طور پر قلع قمع کرنا ہے
جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بعض توبہ کرنے والوں کے بارے میں فرمایا ہے
اللہ تعالیٰ نے ان کی برائیوں کو مٹا دیا اور ان کے دلوں کی اصلاح فرما دی۔ اور
اگر خواب میں دیکھے کہ ان کی درندوں والی شکل انسانی صورت سے بدل گئی ہے
تو اس کے معنی یہ ہیں کہ انسان کی برائیاں نیکیوں سے بدل گئی ہیں جیسا کہ اللہ
تعالیٰ نے توبہ کرنے والوں کے حق میں ارشاد فرمایا ہے "جو توبہ کرے ایمان لائے
اور نیک کام کرے تو ایسوں کی برائیوں کو اللہ تعالیٰ بھلائیوں سے بدل دے گا"۔
پس وہ ان موذی دشمنوں سے رہائی پا گیا۔ اس کے بعد بھی انسان کے لئے لازمی ہے
کہ ان اعدا کے شر سے بے خوف ہو کر نہ بیٹھے کیونکہ برائیوں کے ضائع ہو جانے کے بعد
بھی نفس کو معصیت کی جانب سے ایسی قوت حاصل ہو سکتی ہے جو زور پکڑ کر
نفس مطمئنہ پر غلبہ پا لے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ بندہ جب تک
دنیا میں جمیع آفات میں ممنوع اور ناجائز باتوں سے اجتناب کرے۔ کبھی
نفس امارہ کفار کی صورت پر نفس لوامہ یہود کی صورت پر اور ملہمہ
نصاریٰ کی صورت پر اور اس کے علاوہ کئی انوکھی اور نئی نئی صورتوں میں دیکھے جاتے ہیں۔

تیسویں فصل

اہلِ تصوف کے بیان میں

اہلِ تصوف بارہ ۱۲ قسم کے ہیں۔ پہلی قسم کے وہ لوگ ہیں جو سنتِ نبوی
وعلیٰ صاحبہا التحیات والتسلیمات کے ساتھ نسبت رکھنے والے ہیں
ان سب کے اقوال وافعال واحوال شریعت اور طریقت کے مطابق ہیں

یہ لوگ اہل سنّت والجماعت ہیں۔ ان میں سے بعض بلا حساب کتاب اور بغیر عذاب جنّت میں داخل ہوں گے اور بعض سے سہل حساب لیا جائے گا اور وہ معمولی سزا پاکر جہنم سے جنت میں داخل ہوں گے۔ کافر اور منافق کی طرح ہمیشہ دوزخ میں نہیں رکھے جائیں گے (اہل سنت والجماعت کے علاوہ) باقی جتنے گروہ ہیں وہ سب بدعتی ہیں ان میں مندرجہ ذیل نام نہاد صوفیوں کے گروہ شامل ہیں (۱) فرقہ حلولیہ (۲) فرقہ حالیہ (۳) فرقہ اولیائیہ (۴) فرقہ شمرانیہ (۵) فرقہ حبیبہ (۶) فرقہ حوریہ (۷) فرقہ اباحیہ (۸) فرقہ متکاسلہ (۹) فرقہ متجاہلہ (۱۰) فرقہ واقفیہ (۱۱) فرقہ الہامیہ۔

فرقہ حلولیہ:۔ اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ خوبصورت عورت اور بے ریش حسین لڑکے جسم کی طرف آنکھ اٹھا کر نظر کرنا حلال ہے۔ یہ لوگ رقص کرتے ہیں اور ان کے مذہب میں بوس وکنار مباح ہے۔ اس قسم کا عقیدہ سراسر کفر ہے۔

فرقہ حالیہ:۔ ان کا عقیدہ ہے کہ رقص اور تالی بجانا حلال ہے وہ کہتے ہیں کہ شیخ کیلئے ایک حالت یا مقام ہے کہ شریعت اس پر حکم نہیں لگاتی۔ اس قسم کا عقیدہ بدعت اور خلاف سنت جناب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ہے

فرقہ اولیائیہ:۔ ان کا عقیدہ ہے کہ بندہ جب مرتبۂ ولایت کو پہنچ جاتا ہے تو تکالیف شرعی اس سے ساقط ہو جاتی ہیں (شریعت اس کو مکلف نہیں۔ احکام شریعت اس پر نافذ نہیں ہوتے) نیز وہ کہتے ہیں کہ ولی نبی سے افضل ہے کیونکہ نبی کا علم بالواسطہ وحی ہے اور ولی کا علم بغیر واسطہ ہے ایسی تاویل کرنے میں انہوں نے خطا کی۔ اس اعتقاد کے باعث وہ لوگ ہلاک ہوگئے۔ اس قسم کا عقیدہ بھی کفر ہے۔

فرقہ شمرانیہ:۔ اِن کا عقیدہ ہے کہ صحبت قدیمی ہے اور اس کے سبب اوامر ونواہی ساقط ہو جاتے ہیں۔ دف طنبورا اور دیگر آلاتِ موسیقی اور لہو لعب کو حلال جانتے ہیں اور عورتوں سے کسی طرح کا تمتع جائز نہیں رکھتے۔ یہ لوگ کافر ہیں اور ان کا خون مُباح ہے۔

فرقہ حبّیہ:۔ ان کا عقیدہ ہے کہ بندہ جب مقامِ محبت تک پہنچ جاتا ہے تو شرعی تکالیف اس سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ وہ اپنی شرم گاہوں کو نہیں ڈھانپتے۔

فرقہ حُوریہ:۔ ان کے عقائد بھی گروہ حالیہ سے ملتے جلتے ہیں اس کے علاوہ ان کا دعویٰ ہے کہ وہ اپنے حالات (یعنی رقص و وجد کی کیفیت میں حُور سے مُباشرت (جماع) کرتے ہیں۔ جب ہوش میں آتے ہیں تو غسل کرتے ہیں ان کا یہ اعتقاد باطل اور ان کی ہلاکت کا موجب ہے۔

فرقہ اباحیہ:۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے گریز کرتے ہیں (یعنی نہ تو لوگوں کو اچھے کام کا حکم دیتے ہیں اور نہ اُن کو بُرائی سے منع کرتے ہیں) اور حرام کو حلال اور عورتوں کو (ناجائز طور پر) مُباح کرتے ہیں۔

فرقہ متکاسلہ:۔ کاروبار ترک کر کے در بدر مانگتے پھرتے ہیں۔ ظاہرا طور پر ترکِ دُنیا کا دعویٰ کرتے ہیں اور پکار پکار کر اپنی مصائب و مشکلات کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ لوگ اس عقیدہ کے باعث ہلاکت کے گڑھے میں گر گئے۔

فرقہ متجاہلہ:۔ یہ لوگ فساقی لباس پہنتے ہیں (یعنی ایسا لباس جو فاسق و فاجر پہنتے ہیں) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "اور ظالموں کی طرف نہ جھکو (یعنی ان سے میل جول نہ رکھو) تمہیں آگ چھوئے گی" اور جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد عالی ہے "جو کسی قوم کی مشابہت کرے وہ انہی میں سے ہے"

فرقہ واقفیہ:- ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت غیر اللہ کو ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔ اسی واسطے انھوں نے طلب معرفتِ الٰہی ترک کر دی۔ اور اس جہالت کے باعث ہلاک ہو گئے۔

فرقہ الہامیہ:- یہ لوگ علم دین کو ترک کرتے ہیں اور سلسلہ درس و تدریس کے بھی مخالف ہیں۔ یعنی لوگوں کو علم دین سیکھنے اور سکھانے سے روکتے ہیں۔ حکماء (یعنی فلسفیوں اور منطقیوں) کی متابعت کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن مجید حجاب ہے اور اشعار کو قرآنِ طریقت جانتے ہیں انھوں نے اس عقیدہ کی بناء پر قرآن پاک کو چھوڑ دیا اور شعروں کی تعلیم لے کر اپنی اولاد کو بھی نقصان پہنچایا اور ورد و وظائف ترک کر کے ہلاکت کے گڑھے میں پڑ گئے۔ فقہِ باطن میں آیا ہے "اہل سنّت والجماعت کا کہنا ہے کہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بہ سبب قوتِ صحبت جناب نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اہل جذبہ تھے۔ پھر وہ جذباتِ کشش و روحانیت منتشر ہو کر مشائخ طریقت تک پہنچے پھر بیشمار سلسلوں میں منقسم ہو گئے۔ اور بتدریج کمزور اور ضعیف الاثر ہو گئے۔ بلکہ اکثر سلاسل میں ان روحانی جذبات کا نام و نشان تک نہ رہا اور پیکر بے جان کی طرح رسمی طور پر بے معنی سلسلہ مشائخ باقی رہ گیا۔ پھر ان میں سے بدعتی ٹولے پیدا ہوئے۔ بعض نے اپنے آپ کو سلسلہ قلندریہ کسی نے سلسلہ حیدریہ اور کسی نے سلسلہ ادھمیہ اور ان کے علاوہ دوسرے سلسلوں کی طرف منسوب کیا جنکی شرح طویل ہے۔

اہل اجتہاد اور صاحب ارشاد اس زمانے میں قلیل سے بھی کم ہیں (کہیں خال خال نظر آتے ہیں) شاہدین، فقہا کو ان کے ظاہری عمل حق سے اور اہل ارشاد کو ان کے پاک وصاف باطن سے پہچانتے ہیں۔ اہل فقہ استحکام شریعت پر امر و نہی کے

معاملات میں پورے طور پر مستعد ہوتے ہیں اور صاحب باطن وہ ہے جس کو راہِ سلوک کا بچشمِ بصیرت ایسا مشاہدہ حاصل ہو کہ وہ اپنے مقتدیٰ یعنی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روحانیت (بمناسبت جسمانی اپنے محل میں اور روحانی اپنے محل میں) کے مابین واسطہ بن جائے"۔ شیطان حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت نہیں بن سکتا"۔ اس حدیث شریف میں ارادتمند سالکین کی رہنمائی کیلئے ایک اشارہ ہے تاکہ وہ راہِ سلوک میں اندھیرے میں نہ رہیں اور حق و باطل میں تمیز کرنے کیلئے یہ ایسے پاکیزہ نکات اور اشارات ہیں جو ان کے اہل کے سوا کسی دوسرے کی سمجھ میں نہیں آسکتے۔

چوبیسویں فصل

خاتمہ کے بیان میں

سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ زیرک، سمجھ دار اور صاحبِ بصیرت ہو (جیسا کہ کسی شاعر نے کہا۔ ترجمہ "اللہ کے ایسے دانا بندے ہیں جنہوں نے دنیا کو طلاق دے دیا اور اس کی تکالیف سے خوف زدہ ہوئے اور اس کے بھنور میں اعمال صالحہ کی کشتی میں سوار ہوگئے") دنیوی امور کا انجام مدِ نظر رکھے اور ان کے زوال کے بارے میں غور و فکر کرتا رہے۔ احوال دنیا کی ظاہری سجاوٹ اور حلاوت کے دھوکے میں نہ آئے۔ اہل تصوف فرماتے ہیں کہ "احوال کی طرف راہیں ان کے پھیرنے والے کی جانب سے بنائی جاتی ہیں"۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے" اللہ تعالیٰ کی خفی تدبیر سے بے خوف نہیں ہوتے سوائے ان لوگوں کے جو نقصان اٹھانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے ہمیشہ اس سے خائف

رہتے ہیں گے۔ نیز حدیث قدسی میں فرمایا ''پیارے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)
گنہگاروں کو خوشخبری دیجئے کہ میں بخشنے والا ہوں۔ اور صدیقوں کو ڈرائیے کہ
میں غیور ہوں۔ اولیاء کی کرامات اور ان کے احوال برحق ہیں مگر مکر و استدراج سے
محفوظ نہیں بخلاف معجزات انبیاء علیہم السلام کہ وہ ہمیشہ کیلئے اس بات سے
مامون و محفوظ ہوتے ہیں۔ ذکرامات میں مکر شیطانی و نفسانی اور استدراج کو دخل
ہوسکتا ہے۔ خرق عادات بات جو کافر سے ظاہر ہو اسکو استدراج کہتے ہیں
کافر اگر مجاہدہ بالنفس اور ریاضت کرتا رہے تو اسمیں یہ بات پیدا ہوجاتی
ہے۔ نبی علیہ السلام کی خرق عادت کو معجزہ اور ولی کی خرق عادت کو کرامت
کہتے ہیں۔ سرکار اقدس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ ولی یا
اس کے معتقدین جسکو کرامت سمجھتے ہوں وہ استدراج ہو کہتے ہیں کہ خرابیٔ انجام کا خوف
خرابیٔ انجام سے نجات کا سبب ہے۔ حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔
''اولیاء اللہ کو بہ سبب خوفِ الٰہی مقام علیین تک رسائی ہوجاتی ہے۔ خوف کا
اُمید پر غالب ہونا ہی اچھا ہے ایسا نہ ہو کہ بتقاضائے بشریت دھوکا
کھا جائے اور کسی ایسی بناء پر اس کا راستہ منقطع ہوجائے جس کا اس کو
شعور تک نہ ہو۔ جب تک انسان تندرست ہے خوف کو اُمید پر غالب
کرے اور بحالت مرض اُمید خوف پر غالب ہو۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا
ارشاد عالی ہے۔ اگر مومن کا خوف اور اس کی اُمید
تولے جائیں تو دونوں وزن میں برابر نکلیں گے لیکن بحالت نزع اللہ تعالیٰ کے
فضل و کرم سے اس کی اُمید خوف پر غالب ہوتی ہے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
فرمایا ''تم میں سے کوئی ہرگز نہ مرے مگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن
رکھے ہوئے اور اس کی آیات رحمت مثلاً وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ۔

(اور میری رحمت ہر چیز کو محیط ہے)۔ اور وَرَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ (اور میری رحمت میرے غضب پر سبقت لیگئی) فَاِنَّهٗ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن (بیشک وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے) میں غور و فکر کرتے ہوئے سالک پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے غضب سے فرار کر کے اس کے لطف و کرم کی طرف اقدام کرے اور فرار پر قرار اختیار کر کے بصد عجز و نیاز خوشا دگر آمد عرض معروض اور عذر خواہی کرتے ہوئے اس کے باب رحمت پر سر نیاز رکھ کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرے اور اس کے فیضان لطف و کرم کی توقع رکھے۔ نیز اُمیدوار رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کے گناہ معاف فرما دے گا۔ کیونکہ وہ بڑا احسان فرمانے والا، رحمت والا، بہت بخشش کرنے والا کریم، بادشاہِ قدیم اور سلطانِ عظیم ہے۔

وَصَلَّی اللّٰهُ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اٰمِیْنَ ٥

حضرت غوثِ اعظم دستگیرؓ کے تصنیفات و تالیفات

۱۔ غنیۃ الطالبین فقہ حنبلی وخاتمہ "آداب المریدین" پر مشتمل ہے۔ (طبع ہو چکی)

۲۔ الفتوح الغیب (۷۸) مقالات ہیں جسے آپکے فرزند ابو عبدالرحمٰنؒ نے جمع کیا۔ (")

۳۔ الفتح الربانی (۶۲) مجالس ہیں جسے عفیف الدین المبارکؒ نے جمع کیا۔ (")

۴۔ الفیوضات الربانیہ فی ماثر القادریہ { تعلیماتِ قادریہ پر مشتمل ہے جسے حضرت سید اسمٰعیل ابن سید محمد سعید القادری الگیلانیؒ نے جمع کیا۔ } (")

۵۔ جلاء الخاطر (فی الباطن والظاہر) (")

۶۔ الیواقیت والحکم (")

۷۔ رسالہ غوث الاعظم الموسوف رسالہ غوثیہ۔ الہاماتِ ربانی تصوف پر مبنی ہے۔ (")

۸۔ مکتوباتِ غوث الاعظمؓ بنام کنزالمعارف۔ (")

۹۔ ردّ الروافضہ۔ قلمی نسخہ مدرسہ قادریہ بغداد شریف میں موجود ہے (طبع نہیں ہوئی)

۱۰۔ تفسیر القرآن الکریم۔ قلمی نسخہ دو جلدوں میں کتبخانہ رشید کرام تریپولی مستقر لیبیا میں موجود ہے (")

۱۱۔ علم ریاضی سے متعلق نا تمام کتاب۔ قلمی نسخہ کتب خانہ قادریہ بغداد شریف میں موجود ہے (")

۱۲۔ بشائر الخیرات۔ الہامی قرآنی دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ طبع ہو چکی ہے

۱۳۔ سرّ الاسرار۔ تصوف پر مبنی ہے۔ " "

۱۴۔ مواہب الرحمٰن " "

۱۵۔ شرح الصلوٰۃ المحمدیہ۔ غیر مطبوعہ

ضمیمہ

تذکرۂ خاندانی

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی

رضی اللہ تعالےٰ عنہ وارضاہ عنا



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

تذکرۂ خاندانی

حضرت عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہٗ

جب بندے کو یہ ادراک ہوتا ہے کہ اس کی جہالت نادانی، علمیت پریشانی، معرفت حیرانی اور حقیقت فانی ہے تو وہیں ازلی مہربانی ہوتی ہے اُس ذاتِ لاشریک کی جس نے احدیت کو وحدت میں منزوی کیا، وحدت کو واحدیت میں مخفی رکھا، عناصر اربع کو واحدیت سے ظاہر کیا، اعیانِ ممکنات کو حجاب اسمار بنایا، اسمار کو حجابِ صفات ٹھہرایا، صفات کو حجابِ ذات بنایا سے

اے بر ہمہ آشکار و بر جملہ نہاں ۔۔۔ در عین عیان مخفی و در خفیہ عیان
اندر تو عجیب ماندہ ام اے جانِ جہاں ۔۔۔ آنی و ہم اینی و نہ این و نہ ہم آن

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ وَعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ صَلٰوۃً دَائِمَۃً مَقْبُوْلَۃً تُؤَدِّیْ بِھَا عَنَّا حَقَّہُ الْعَظِیْمَ ؕ

باسم اللہ کنم آغاز مدح شاہِ جیلانیؒ ۔۔۔ کہ بر قدش درست آمد لباس اعظم الثانی
بغوثیت بود غوث عظیم ظاہر و باطن ۔۔۔ بہ قطبیت چراو قطبی نہ در اقطاب ربانی

اندیشہ کو اس بارگاہ میں راہ نہیں عقل اس منزل سے آگاہ نہیں کیوں کہ یہاں فاسق و جاہل، عارف و ولی اور سارق و قطاع الطریق ابدال و

قطب ہے۔ زبان جس کے ذکر سے شیریں کلام ہوئی اور دل فکر میں محو تمام ہوا وہ ذات قدسی خلاصۂ خاندانِ مصطفویؐ، نقادہ دودمانِ مرتضویؓ، محوِ شہودِ ذات اللہ، واقفِ رموزِ لی مع اللہ، خلیفِ رشید سیدنا حسنِ مجتبیٰؓ، نورِ دیدۂ شہید کربلا، رونقِ دینِ متین جناب سید المرسلینؐ، پشت و پناہ اُمتِ خاتم النبیینؐ، محی السنت، قامع البدعت، قطب الاقطاب فرد الاحباب شیخ شیوخ العالم غوث الاعظم حضرت سیدنا و مولانا و مرشدنا شیخ عبدالقادر حسنی حسینی جعفری جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا ہے۔

اس اضعف العباد فقیر حقیر سراپا تقصیر ولیکن غلام شہ بے نظیر کے پیشِ نظر یہی تھا کہ آنحضورؓ کے ازواج و اولاد (ذکور و اناث) مع تعداد و اسمائے گرامی کے تعارف کی سعادت حاصل کروں کیوں کہ ان کے تفصیلات دستبرد زمانہ کا شکار ہو چکے تھے۔ اس سلسلے میں فقیر حقیر نے متقدمین کے مشہور و معروف کئی تصانیف اور کئی مخطوطے دیکھے لیکن میرا کُل مقصود ان میں موجود نہیں تھا۔ زمانہ قدیم میں اکثر علماء و صلحاء نے آنحضورؓ کے مناقب و حالات و کرامات میں مطول و مختصر کتابیں تالیف فرمائیں لیکن اس جانب کسی نے بھی کاملاً توجہ نہ فرمائی حتیٰ ایں کہ اُم الکتاب بہجۃ الاسرار (در حالات آنحضورؓ) سے بھی اس بارے میں خاطر خواہ روشنی نہ ملی۔ چنانچہ یہی تشنگی اس تحقیق کی محرک بنی۔ حجۃ البیضاء میں مذکور ہے کہ دو سو سے زائد تصانیف آپ کے نسب کے تعلق سے موجود ہیں لیکن آنحضورؓ کے اہلبیت کے ذکر سے خالی۔ مشہور ہے کہ حضرت امام عبداللہ الیافعی یمنیؒ نے روض الریاحین کی

تصنیف سے فراغت پائی تو انھیں خیال ہوا کہ یہ کتاب حضور غوث الاعظمؓ کے ذکر سے خالی ہے لہذا ایسے عظیم الشان عالی مرتبت سلطان الاولیاء کے مناقب میں ایک مستقل کتاب لکھی جائے اور اُسے روض الریاحین کا تتمہ ٹھہرایا جائے تاکہ وہ شیخ کے مناقب سے بھی مشرف ہو تو امامؒ نے خلاصۃ المفاخر نہایت اہتمام سے تصنیف کی جو روض الریاحین کا تکملہ ہے لیکن یہاں بھی تشنگی کا سامان فراہم نہ ہو سکا۔ انساب کے کئی نسخے دستیاب ہوئے لیکن آنحضورؓ کے اہلبیت کا مکمل تعارف نہیں ملا۔ نظام الانساب (داخلہ نمبر ۱۶۱۱۶) بشکل مخطوطہ محررہ ۱۲۳۰ھ کا اورینٹل میانسکرپٹ لائبریری حیدرآباد اے پی میں موجود ہے۔ اِس میں آنحضورؓ کے چار ازواج و ۲۵ ذکور اولاد کا ذکر ہے لیکن اس کا ماخذ خزینۃ الاصفیاء ہے۔ جس میں اختلاف موجود ہے۔ تلاش ہنوز جاری تھی کہ مترجم غنیۃ الطالبین حضرت مولٰینا مولوی حافظ محمدؐ عبدالعزیز صاحب نقشبندی مجددی مرتضائی لاہوریؒ نے تذکرہ آنحضورؓ میں جو تفصیلات سے آگہی کی پیشِ ناظرین ہے۔ (مطبوعہ لاہور نومبر ۱۹۵۹ء)

"آنانکہ خاک را بہ نظر کیمیاء کنند" سگ راہ دلی کنند و مگس را ہما کنند

والدین نے عبدالقادر نام رکھا۔ ابو محمد آپ کی کنیت ہے۔ خالقِ ارض و سمانے بزبانِ خلق آپ کو محی الدین، سلطان الاولیاء، غوث الاعظم، محبوبِ سبحانی اور دیگر القابات ہیبت و مودت سے سرفراز فرمایا جو نہ متقدمین طبقہ اوّل میں کسی کو نصیب ہوئے اور نہ معاصرین و متاخرین کو نصیب ہو سکے۔

نسبِ پدری:- شیخ محی الدین عبدالقادر بن ابی صالح موسیٰ جنگی دوست بن عبداللہ الجیلی بن یحییٰ الزاہد محمدؐ بن داؤد بن موسیٰ عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ المحض بن حسن المثنیٰ بن حسنؓ مجتبیٰ

بن امیر المومنین سیّدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہم اجمعین (حجۃ البیضاء) ص ۲۴۸

نسب مادری:- آپ کی والدہ ماجدہ کا نام فاطمہ کنیت ام الخیر لقب امۃ الجبار بنت عبداللہ الصومعی الحسینی بن جمال الدین محمد بن سیّد محمود بن عطا عبداللہ بن کمال الدین عیسٰی بن امام علاء الدین محمد الجواد بن امام علی رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ وعنہم اجمعین۔ (حجۃ البیضاء)

آپ کی دادی کا نام ام سلمہ تھا جو امام محمدؒ کی صاحبزادی تھیں اور امام محمدؒ کا سلسلہ نسب اس طرح ہے۔

"امام محمدؒ بن طلحہ بن امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن امیر المومنین سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم اجمعینؓ۔ (بہجۃ الاسرار)

آپ کے جد اعلیٰ عبداللہ المحضؒ کی والدہ ماجدہ نے عبداللہؒ سے نکاح ثانی کیا۔ انکا سلسلہ نسب یوں ہے۔

"عبداللہ مطرف بن عمرو بن امیر المومنین سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہم اجمعین ہے۔ عبداللہ مطرف کی والدہ کا نام حفصہ تھا جو امیر المومنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فرزند حضرت عبداللہؒ کی صاحبزادی تھیں"۔ (بہجۃ الاسرار)

(Caspine sea)

طبرستان المعروف گیلان جھیل کیسپین یا بحرۂ خضر کے مغربی کنارے پر ایران کا ایک صوبہ تھا اس کے خاص علاقے کو گیلان یا جیلان کہتے تھے۔ شیخ ابو الفضل احمد بن شافعؒ کے بموجب ۱۷ رمضان

مطابق ۱۰۷۵ء بمقام نیق میں آپ کی ولادت ہوئی (تاریخ ۲۹ شعبان تھی)۔ اسی مقام نیق میں جو قصبہ بلاد جیلان سے تھا، ایک حسنی خاندان آباد تھا۔ جس کی ذریت پاک سے وہ نور ظاہر ہوا جس سے تمام دنیا روشن ہوگئی۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جبکہ ایران کا سلطان معز الدین ابو الفتح ملک شاہ سلجوقی کا تیسرا بادشاہ اور الپ ارسلان کا بیٹا اپنے پورے جاہ و جلال سے حکومت کرتا تھا اور بغداد میں المقتدی بامر اللہ خلیفۂ وقت اسلامی احکام کے اجرا اور بدعات کو مٹانے اور سنت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے احیاء میں دن رات کوشاں تھا اسی زمانے میں سید ابو صالح موسیٰ جنگی دوست کے گھر میں ان کی ساٹھ سالہ زوجہ محترمہ کے بطن مبارک سے اس چشمہ ہدایت کا ظہور ہوا جس سے ایک دنیا اب تک فیضیاب ہوتی آرہی ہے اور انشاء اللہ تا قیامت ہوتی رہے گی آپؒ کے ایک اور بھائی تھے جن کا نام شیخ ابو احمد عبداللہ تھا۔ آپ لاولد تھے اور آپ کا پیشہ تجارت تھا۔ آپ کی کوئی ہمشیر نہیں تھیں۔

حلیہ مبارک:۔ آپ میانہ قد کمزور بدن تھے۔ ابرو باریک اور ملے ہوئے تھے۔ سینہ کشادہ، ریش دراز اور گھنی تھی + آپ بلند آواز اور سکوت پسند تھے۔ آپ کی عمر شریف ۹۱ برس تھی۔ وصال ۷ ربیع الثانی ۵۶۲ ہجری میں ہوا۔

"ازواج مطہرات:۔ آپ کی چار بیبیاں تھیں۔ (۱) حضرت بی بی مدینہ صاحبہ بنت میر محمدؐ (۲) حضرت بی بی محبوبہ صاحبہ (۳) حضرت بی بی مومنہ صاحبہ (۴) حضرت بی بی صادقہ صاحبہ بنت محمد شفیع۔

اولاد:۔ حضرت بی بی مدینہؓ سے چار فرزند تولد ہوئے۔

(۱) سید سیف الدینؒ (۲) سید شرف الدینؒ (۳) سید عیسیٰؒ (۴) سید عبدالرزاقؒ

حضرت بی بی محبوبہؒ سے آپ کو دس فرزند پیدا ہوئے۔

(۱) سید یحییٰؒ (۲) سید ضیاء الدینؒ (۳) سید یوسفؒ (۴) سید عبدالخالقؒ

(۵) سید سیف الرحمنؒ (۶) سید محمد صالحؒ (۷) سید حبیب اللہؒ

(۸) سید منصورؒ (۹) سید عبدالجبارؒ (۱۰) سید ابوالنصر موسیٰؒ

حضرت بی بی مومنہؒ سے سات لڑکے تولد ہوئے۔

(۱) سید محمدؒ (۲) سید عبداللہؒ (۳) سید ابراہیمؒ (۴) سید عبدالرحمنؒ

(۵) ابوالفضل سید محمدؒ (۶) سید ابوبکر زکریاؒ (۷) سید محمد زاہدؒ

حضرت بی بی صادقہؒ سے چھ فرزند تولد ہوئے۔

(۱) سید عبدالعزیزؒ (۲) سید تاج الدینؒ (۳) سید عبدالجبارؒ[۱]

(۴) سید شمس الدینؒ (۵) سید عبدالوہابؒ (۶) سید سراج الدینؒ

ان ستائیس صاحبزادوںؒ کے علاوہ آپ کی اٹھارہ صاحبزادیاںؒ بھی تھیں جن کے اسماء گرامی یہ ہیں:۔

(۱) عافیہ بی بیؒ (۲) ذاکرہ[۲] بی بیؒ (۳) شاہ بی بیؒ (۴) یٰسین بی بیؒ

(۵) حلیمہ بی بیؒ (۶) خیرالنساء بی بیؒ (۷) شاہ خاتم بی بیؒ (۸) تاج بی بیؒ

(۹) زاہدہ بی بیؒ (۱۰) زہرہ بی بیؒ (۱۱) جمال بی بیؒ (۱۲) ذاکرہ بی بیؒ

(۱۳) ام الفضل بی بیؒ (۱۴) عابدہ بی بیؒ (۱۵) شریفہ بی بیؒ (۱۶) راجی بی بیؒ

(۱۷) خدیجہ بی بیؒ (۱۸) ام الفتح بی بیؒ " (بحوالہ ترجمہ غنیۃ الطالبین)

(کس زوجہ مطہرہ سے کون کون سی دختران پیدا ہوئیں معلوم ہو تو اس کا علم ہوسکا) صلب اطہر سے پیدا ہونے والے مجملہ (۳۷) فرزندوں کے صرف ۱۰

---

[۱] و [۲] سید عبدالجبارؒ اور ذاکرہ بی بیؒ نام دوبارہ آیا ہے لہٰذا ان اسماء کی تحقیق و تصحیح ضروری ہے

فرزندوں سے سلسلہ قادریہ کا فیضان عالی روئے زمین پر جاری ہوا جن کے اسمائے پاک یہ ہیں :۔

(۱) حضرت سید عبدالوہابؒ (۲) حضرت سید شرف الدینؒ (۳) حضرت سید عبدالرحمٰنؒ (۴) حضرت سید شمس الدینؒ (۵) حضرت سید تاج الدینؒ (۶) حضرت سید اسحٰقؒ (۷) حضرت ابوالفضل سید محمدؒ (۸) حضرت سید ابوبکر ذکریاؒ (۹) حضرت سید ابونصر موسیٰؒ (۱۰) حضرت سید عبدالجبارؒ

یہ فقیر دعویٰ نہیں کرتا کہ متذکرہ بالا تحقیق تنقید و تصحیح سے بالا ہے یا یہ کہ جو کچھ میں نے لکھا وہ حرفِ آخر ہے۔ علمائے محققین و خانوادۂ قادریہ کے بزرگوں کو اس مضمون میں سہو نظر آئے تو از راہِ عفو در گزر فرمائیں اور اصلاح کرلیں۔ بلا کسی تحقیق کے معترض ہو کر اپنے کو وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُم بَعْضًا ... الخ (حجرات ۲ ع ۲) کے زمرے میں خود کو شامل کر کے اپنے حسنات کو سیئات سے نہ بدل ڈالیں وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی

"ہر کس غلامِ شاہی و مملوکِ صاحبی ست
حافظ کمینہ بندۂ سلطانِ کشورم "

حقیر بندۂ اکمل الرجال والشمس لایزال
فقیر میر بہادر علی اقبال حسابی
غفر اللہ لہٗ وستر اللہ عیوبہٗ

تاریخی قطعہ عقیدت

۱۹۸۹ء

بہ سلسلہ اشاعت نورِ عرفان سر الاسرار کتابِ ہدایت

۱۴۱۰ھ

حضرت الشیخ عبد القادر الحسنی الحسینی الجعفری الجیلانی رضی اللہ عنہ

دینِ مبیں کی دولت ہے دولتِ تصوف ‏ ‏ اہلِ نظر کے دل میں ہے رفعتِ تصوف

سرمایۂ دو عالم علمِ لدن کا مخزن ‏ ‏ ہے افتخارِ آدم یا بہجتِ تصوف

گنجینۂ حقائق، ایماں کی جاودانی ‏ ‏ تفسیر رمزِ احساں ہے عظمتِ تصوف

سرکارِ غوثِ اعظمؓ سرتاجِ اولیا نے ‏ ‏ فرمایا آشکارا یوں قدرتِ تصوف

الہام کی زباں ہے برکت کا معاملہ بھی ‏ ‏ گویا ہے دل نشیں ہے یہ وسعتِ تصوف

غوث الوریٰؓ کے صدقے کی ہے جو سعی احسن ‏ ‏ محمود نے ہے پائی کیا خلعتِ تصوف

افکار و آگہی کہ قرب و شرف کا عنواں ‏ ‏ اقبال کا خزینہ ہے عزتِ تصوف

تلقینِ ظاہری کے یا فیضِ باطنی کے ‏ ‏ انوار دیدنی ہیں صد زینتِ تصوف

تاریخ طبع ثانی اس کی عقیل کہہ دے
آئینۂ صحیفہ ہے نعمتِ تصوف

۱۴۱۰ھ

منجانب ڈاکٹر عقیل ہاشمی۔ ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (عثمانیہ)
اردو ریڈر کالج آف سوشیل سائنس عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد۔

معارفِ اسلامیہ ٹرسٹ حیدرآباد - رجسٹر ڈ نمبر 2218

آج کے پُر آشوب دور میں ملّتِ اسلامیہ خصوصًا نوجوان نسل جس خلفشار کا شکار ہے اسکا اصل سبب قرآن وحدیث کی تعلیمات سے دوری کے سوا کچھ اور نہیں۔ مشرقی طرزِ تمدن پر مغربیت کے رجحانات کی اثر اندازی سے جو منفی نتائج برآمد ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں ان سے مسلمان بھی بچ نہ سکے۔ اِس پر دینی تعلیم اور اسلاف کی پاکیزہ طرزِ زندگی سے نابلدی نے انھیں کہیں کا نہ رکھا۔ اس پُر فتن دور میں اس بات کی شدید ضرورت تھی کہ مسلمانوں کو اسلامی تعلیمات کے ساتھ ساتھ اُنکے اسلاف کی علمی اور اخلاقی بلندیوں سے بھی روشناس کیا جائے جس کے ذریعہ نہ صرف انکے علمی اثاثہ میں اضافہ ہو بلکہ وہ ان پر عمل کر کے خود بھی انہیں خوبیوں کے حامل ہو جائیں۔ یہی وہ بنیادی مقصد تھا جس کے پیشِ نظر معارفِ اسلامیہ ٹرسٹ کا قیام عمل میں آیا۔ چنانچہ ٹرسٹ کے جو بنیادی اغراض ومقاصد طے پائے تھے ان میں اسلامی تمدن اور لٹریچر کو قابلِ قدر مصنفین کی تصانیف کے ذریعہ عام کرنا، نایاب مخطوطات اور اثاثہ جاتِ اسلامی کی اشاعت، اسلامی خدمات میں نمایاں مقام رکھنے والی شخصیتوں کی سوانح حیات کی اشاعت اور دیگر زبانوں میں تحریر کردہ نایاب کتب کا اردو میں ترجمہ اور اشاعت شامل تھے۔ الحمد للہ کہ ٹرسٹ نے بانیٔ ٹرسٹ حضرت مولانا ابو الفضل سید محمود قادری سابق سشن جج کی قیادت اور ارکان ٹرسٹ کے تعاون سے گذشتہ پانچ سال سے اپنی یہ خدمات پوری کامیابی سے انجام دی ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی انجام دیتا رہے گا۔ ٹرسٹ کے سارے مصارف شائع شدہ کتب کی نکاسی اور اصحابِ خیر کے عطایا کے ذریعہ انجام پاتے ہیں اس لئے تمام اصحابِ ثروت سے اس کارِ خیر میں اپنی حسبِ استطاعت حصّہ لینے اور عامۃ المسلمین سے ٹرسٹ کی شائع کردہ کتب کی خریدی کے ذریعہ اس کارِ خیر کو جاری رکھنے میں معاونت کی اپیل کی جاتی ہے۔

سید وحید القادری عارف بی ایس سی (عثمانیہ) بی ایس (بیوری ہلز)
پروپرائٹر عارف کوا بارٹس

معارفِ اسلامیہ ٹرسٹ کی مطبوعات

ا تا ۸- مشکوٰۃ النبوۃ :- تصنیف حضرت سید شاہ غلام علی قادری موسوی (اردو ترجمہ)

جلد اول -/20 روپے، جلد دوم -/20 روپے، جلد سوم -/15 روپے، جلد پنجم -/20 روپے

جلد ششم -/25 روپے، جلد ہفتم -/22 روپے، جلد ہشتم -/30 روپے

۹- ظہورِ نور (نیا میلاد نامہ) تالیف مولانا سیّد مناظر حسن گیلانی مرحوم ہدیہ -/10 روپے

۱۰- فضائلِ مصطفےٰ : تالیف مولانا ابو الفضل سیّد محمود قادری " -/12 "

۱۱- مسلکِ دیوبند (اکابرینِ دیوبند کی نگارشات کے آئینہ میں) " -/7 "

۱۲- کلامِ عارف (معہ تذکرۂ اجداد) تالیف سید وحید القادری " -/5 "

۱۳- اسلام کا عالمگیر پیام (بزبان انگریزی) تالیف مولانا ابو الفضل سید محمود قادری " -/12 "

۱۴- فردوس (منتخبہ نعتیہ کلام بزبان فارسی و اردو) مولانا ابو الفضل سید محمود قادری " -/10 "

۱۵- علم غیب : تالیف مولانا ابو الفضل سیّد محمود قادری " -/20 "

۱۶- مستدرساتِ اشرف : مفتی اشرف علی اشرف خلف اکبر حضرت شائق " 2/50 "

۱۷- فیصلہ ہفت مسئلہ (اشاعتِ ثانی) (عرس مروجہ و فاتحہ، جماعت ثانیہ، امکان کذب جیسے مسائل پر حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کا فتویٰ) " -/2 "

۱۸- استعانت : تالیف مولانا ابو الفضل سیّد محمود قادری " -/18 "

۱۹- رشحاتِ قدسیہ (منظوم عربی کلام حضرت شیخ عبد القادر جیلانی مع ترجمہ تشریح و حل اللغات مع عدد نشین) " -/35 "

۲۰- بشائر الخیرات (الہامی قرآنی درودوں کا مجموعہ) تالیف حضرت شیخ عبد القادر جیلانی اشاعت ثانی " -/7 "

۲۱ تا ۲۴- اسلامیات (رسالۂ دینیات جماعت اول تا چہارم ۴ حصے " 8/50 "

۲۵- دین کے دو بھائی دنیا کے دو بھائی : تالیف مناظر حسن گیلانی مرحوم " -/2 "

۲۶- کنز المعارف : فارسی مکتوبات غوث اعظم مع اردو ترجمہ " -/6 "

۲۷- سر الاسرار تصنیف حضرت سید عبد القادر جیلانی (اشاعت ثانی) " - "

۲۸- گیلان کی انقلاب انگیز شخصیت : تالیف ابو الفضل سیّد محمود قادری ، زیر طبع